مجموعہ تقاریر

خطیبِ آلِ محمدؐ

مولانا السید اظہر حسن زیدی مدظلہ العالی

(حصہ دوم)

مرتب

خضر عباس سید
ایم اے

ناشر

سبطِ زہرا اکیڈمی

۱۸- نور چیمبر گنپت روڈ لاہور

انتباہ

(دانشوروں سے التماس!)

نوجوان خطیبو!

یاد رکھو۔ آلِ محمدؐ عناصرِ عالم میں پانی کی مانند ہیں اور پانی کو جیسے ہی برتن میں انڈیل دو وہ اپنی سطح ہموار رکھے گا۔ گویا آلِ محمدؐ ہر زمانے میں ڈھل جاتے ہیں۔

اگر شہنشاہیت کا زمانہ ہو تو ان سے بہتر شاہنشاہ کوئی نہیں
مزدوروں کا راج ہو تو ان سے بہتر مزدور کوئی نہیں
تاجروں کی حکومت ہو تو ان سے بہتر تاجر کوئی نہیں
وکیلوں کا اقتدار ہو تو ان سے بہتر وکیل نہیں اور
فقیروں کی حکومت ہو تو ان سے بہتر فقیر کوئی نہیں۔

غرض کوئی طبقۂ انسانیت برسرِ اقتدار آ جائے۔ آلِ محمدؐ اسمیں شامل ہیں۔ لہٰذا تمہیں چاہیے کہ تم زمانۂ حال کے مطابق اپنے آپ کو ڈھال کر اپنی پوری تحقیق کے ساتھ علومِ آلِ محمدؐ کا پرچار کرو

برخوردار،

ایک بڈھے کی کہی ہوئی باتیں تم شائع کروا رہے ہو مگر یاد رہے
موت کے سیلاب میں ہر خشک و تر بہہ جائیگا
ہاں مگر نامِ حسینؑ ابنِ علیؑ رہ جائے گا

آلِ محمدؐ کے توسط سے اُن کا نام بھی رہ جائے گا جو اُن کے ساتھ وابستہ ہو جائیں گے جیسے کلام انیس چھپ چکا ہے۔ مگر انیس تو دنیا میں موجود نہیں ہے۔ کلام کا لطف تو انیس ہی کی زبان سے آتا تھا۔ لہٰذا ہر کلام اسی وقت لطف پیدا کر سکتا ہے جب اُسے بیان کرنے والا خود بیان کرے گویا صرف کتاب "کافی" نہیں ہے۔ "کتا" ب والے کی ضرورت بھی پڑتی ہے۔ مزا تو جب تھا جب تم نے یہ باتیں مجھ سے سنی تھیں جو تم شائع کروا رہے ہو بہر طور تمہاری اس اشاعت سے آنے والی نسلوں کو اتنا پتہ ضرور چل جائیگا کہ ابھی ابھی اس راہ سے کوئی دیوانہ گذرا ہے اور یہ دیوانگی مودتِ آلِ محمدؐ ہے

خطیبِ آلِ محمدؐ

لگا رہا ہوں مضامینِ نو کے پھر انبار

مجموعۂ تقاریر "خطیب آلِ محمدؐ" جلد اوّل ۵ محرم الحرام ۱۴۰۳ھ ۴ بجے بعد دوپہر بمقام خطیب آلِ محمدؐ افتتاح پذیر ہوئی۔ اُس دن سے لیکر آج تک مختلف طبقات کی طرف سے جس خلوص و عقیدت کے ساتھ میری اس کاوش کو سراہا گیا ہے۔ اس پر میں اُن تمام حضرات کا تہہِ دل سے ممنون ہوں اور اپنی اس کامیابی پر قارئین کو ہدیہ مبارکباد پیش کرتا ہوں گویا جس عقیدت و محبت کے ساتھ تقاریر کو مجموعی شکل دی گئی ہے۔ وہ بصدقۂ محمدؐ و آلِ محمدؐ قبولیت عامہ کی سند حاصل کر چکی ہے لہٰذا نوجوانانِ اربابِ منبر اس ملکِ خطابت کے نیّرِ درخشاں سے روشنی حاصل کر سکتے ہیں بلکہ وہ اپنے آپ کو حالاتِ حاضرہ کے مطابق ڈھال کر اپنی پوری تحقیق کے ساتھ علومِ آلِ محمدؐ کا پرچار کریں جس کی آج کے پُر آشوب دور میں اشد ضرورت ہے۔

جلد اوّل کے بعد جلد دوم کا نذرانۂ عقیدت بحضور سید الشہداء علیہ السلام پیش کر رہا ہوں۔ جلد دوم میں یوں تو صرف کی ہر تقریر ایک انتخاب ہے لیکن اس انتخاب کو اگر ترتیب دے دیا جائے تو "شہادتِ علیؑ" "عشقِ خدا" اور "شجاعت و حرکت" سراپا انتخاب ہے۔ ان کے علاوہ "اللہ سے ڈرو" "اللہ گواہ ہے" "معرفتِ امامؑ" "اصحابِ حسینؑ" "سکینہ بنت الحسینؑ" اور قلم اپنی جگہ پر خاص حیثیت کی حامل ہیں۔ بیان میں ٹھہراؤ، ادب میں شگفتگی اور زبان کی پاکیزگی ان تقاریر کا خاص جوہر ہے بقول سرکار علامہ مفتی جعفر حسین قبلہ مجتہد العصر "خطیب کے لئے جن اوصاف کی ضرورت ہوتی ہے قدرت کی طرف سے ان اوصاف کا انہیں وافر حصہ ملا ہے"

قارئین! خطیب آلِ محمدؐ جلد دوم پیشِ خدمت ہے

خاکپائے مومنین

خضر عباس سیّد

ترتیبِ مضامین

چوتھا ایڈیشن

پرنٹر - وفاق پرنٹنگ پریس لاہور

ہدیہ: -/۱۲ روپے

تعداد: ۱۰۰۰ ہزار

سالِ اشاعت: ذیقعد ۱۴۰۲ھ

عشقِ خُدا

بسم اللہ الرحمٰنِ الرحیم

خداوندِ عالم کی حمد و ثنا کے بعد حضرات محمدؐ و آلِ محمدؐ پر درود و سلام

محترم سامعین!

مجھ سے پہلے میرے ایک عزیز پروفیسر سید محسن رضا صاحب یہاں وعظ فرما رہے تھے۔ ساری تقریر تو مجھے یاد نہیں رہی۔ اتنا یاد ہے کہ وہ کچھ "نور" کے بارے میں کہہ رہے تھے ۔ لہٰذا میں بھی چاہتا ہوں کہ آج آپ کے سامنے نور ہی کے موضوع پر تھوڑی سی گفتگو ہو جائے۔

حضرات! ویسے تو ہمارا سب کا یہ ایمان ہے کہ تمام انبیاء کرام معصوم اور نور تھے مگر ایک طبقۂ فکر کا یہ خیال ہے کہ وہ نور نہیں تھے۔ اللہ جانے اُن کی بات صحیح ہے یا ہماری درست ہے۔

ایک دفعہ بہاولپور میں اس بات پر مناظرہ ہو گیا کہ حضور رسالتمآبؐ نور تھے یا خاک؟ چنانچہ جو نور کے منکر تھے انہوں نے مناظرہ رکوانے کے لئے نواب بہاولپور کو ایک درخواست لکھی۔

"حضور پرنور۔ نواب بہاولپور! آپ بتائیں کہ رسولؐ نور تھے یا خاک؟"

اب اُن سے پوچھیئے کہ بہاولپور کا نواب تو پُرنور اور رسولؐ بے نور ۔ کیوں!

ہم نے کہا، "کوئی ایسی بات بتاؤ جس سے پتہ چل جائے کہ رسولؐ نور نہیں تھے۔"

انہوں نے کہا۔ حدیث ہم بتاتے ہیں۔ حدیث بھی وہ جس کا راوی حضرت عثمان ذوالنورین ہے۔

بھئی! ذوالنورین کیوں کہتے ہو؟

جواب دیا۔ تمہیں معلوم نہیں کہ حضرت عثمان کے گھر رسولؐ کی دو صاحبزادیاں تھیں چونکہ رسولؐ کی لڑکیاں تھیں لہٰذا نور تھیں۔ اب ان سے کوئی پوچھے کہ جب باپ بے نور تھا تو بیٹیاں کیسے نور بن گئیں ــــ بہرنوع مولوی صاحبان میں ایسے جھگڑے چلتے رہتے ہیں۔ بے کاری کا مشغلہ ہے۔ چلو اور نہیں تو مناظرہ ہی کر لو ــــ جس طرح ایک رات ہندوستان کی تمام چمگادڑیں ایک پرانے برگد کے درخت پر اکٹھی ہو گئیں اور اپنی اس کانفرنس کا صدر ایک بڈھے اُلّو کو بنایا۔ کانفرنس میں متفقہ طور پر فیصلہ ہوا تھا کہ سورج نہیں ہے۔ اگر ہوتا تو ہمیں بھی نظر آتا۔ اب آپ لاکھ دلیلیں دیں کہ سورج ہے مگر ان کی کانفرنس جو فیصلہ کر چکی ہے وہ درست ہے ــــ بہرنوع ایسے جھگڑے چلتے رہتے ہیں اور بے نور آنکھیں بوجہ اپنی بے نوری کے نور سے منکر رہتی ہیں۔

سامعین! اصطلاحی لفظوں میں نور کے معنیٰ ہیں حسین۔ "حسین" ایسا لفظ ہے جس کے معانی آج تک متعین ہی نہیں ہو سکے۔ اس لئے کہ ہر شخص کے مزاج کے مطابق "حسین" علیحدہ ہے۔ ہر آدمی کا حسین الگ الگ ہے۔ مجنوں کی نظر میں کالی لیلیٰ حسین تھی۔ ایران کا حسین اور ہے۔ افغان کا حسین اور ہے۔ حبشیوں کا حسین اور ہے۔ ہم ہندوستانیوں کا حسین اور ہے اور ان شاعروں کا حسین اور ہے۔ شاعروں کے سارے دیوان تعریفِ حُسن میں بھرے پڑے ہیں۔ اب اُن سے کوئی پوچھے۔

شاعرو! تمہارے حسین میں کیا حُسن ہے؟

شاعر جواب دیتے ہیں۔ حضور! ہمارے حسین کا قد سرو کی طرح ہے۔ اس کی گردن لمبی ہے۔ اُس کے رخسار دو انگارے ہیں۔ اُس کی آنکھیں ہرن کی سی ہیں۔ اس کی پلکیں

تیر ہیں۔ اس کی بھنویں "تلوار ہیں۔ اس کی زلفیں کالے ناگ ہیں۔"

سامعین! اگر آپ مناسب سمجھیں تو آنکھیں بند کرلیں اور شاعروں کے اس حسین کا تصور کریں۔ ایک سرو کا درخت۔ اوپر رکھیں صراحی۔ اس میں لگائیں دو ہرن کی آنکھیں۔ دو تلواروں کو باندھ دیں۔ اس میں تیر لٹکا دیں اور ساتھ ہی ایک کالا ناگ لٹکا دیں — بتائیے ایک بلا بن گئی یا ایک حسین بنے گا؟

جب ہی تو میں کہتا ہوں۔ دنیا والو! بنایا نہ کرو۔ تم حسین بناتے ہو مگر وہ بلا بن جاتی ہے۔ اگر عقلِ انسانی حسین کے معانی بیان کرسکتی ہے تو وہ صرف یہ ہیں "بے عیب" گویا جو کسی کو بے عیب سمجھے وہ اس کا حسین ہے — اب اگر حسین کے معنی ہیں بے عیب؟ تو بتاؤ۔ سوائے اللہ کے دنیا میں کوئی بے عیب ہے؟ چونکہ اللہ حسین ہے لہٰذا بے عیب ہے۔ مسلمانو! تمہارے رسولؐ میں کوئی عیب ہے؟ ہرگز نہیں۔ جب رسولؐ بے عیب ہے تو پھر ہے نا حسینؐ۔ ہے نا نورؐ۔ چونکہ نور کے معنی ہیں حسینؐ لہٰذا حسین کے معنی ہیں بے عیب۔ — مگر رسولؐ میں اور کچھ نہیں تو حادث ہونے کا عیب تو ہے۔ قدیم تو نہیں رسول، مخلوق تو ہے نا۔ صرف اللہ وہ ہے جس میں کوئی نقص نہیں ہے۔ اللہ وہ ہے جس میں کوئی عیب نہیں ہے۔ گویا اصل بے عیب اگر دنیا میں کوئی شے ہے تو وہ اللہ ہے۔ اصل حسین اگر دنیا میں کوئی شے ہے تو وہ صرف اور صرف اللہ ہے۔

سامعین!

یاد رکھو! ہر حسین کا فطری خواہش و تقاضا یہ ہے کہ میرا چاہنے والا بھی کوئی ہو۔ حسن اداس ہو جاتا ہے، حسن غمگین ہو جاتا ہے۔ حسن مرنے کو تیار ہو جاتا ہے۔ اگر حسن کا کوئی چاہنے والا نہ ہو — گویا حسن فطرتاً یہ چاہتا ہے کہ جس حیثیت کا میں حسین ہوں اسی حیثیت کا میرا کوئی چاہنے والا ہو — اب اگر اللہ حسین ہے تو فطرتِ حسن کے مطابق اللہ کا دل بھی یہی چاہتا ہے کہ کوئی میرا چاہنے والا بھی ہو۔ مگر اس حیثیت کا عاشق ہو جس حیثیت کا

میں حسین ہوں۔ گویا اللہ کا حسن بے تاب رہے گا۔ جب تک اللہ کے حسن کے مطابق
اُسے عشق نہ مل جائے ــــ لہٰذا اللہ نے چاہا کہ اپنے حسن کو نمایاں کروں،

"میرے حسن کو کوئی پہچانے۔ میرے حسن کا کوئی عاشق ہو"

چنانچہ اللہ نے اپنے حسن کا پہلا عاشق آدم کو بنایا۔

"آدم! ہم سے عشق کرو گے؟"

آدم نے کہا۔ "کریں گے۔"

"تم آج سے ہمارے عاشق؟"

"ہاں، عاشق" ــــ جب آدم نے کہا۔ "میں عاشق ہوں" تو معشوق نے شرط لگادی
"تین کونے جانا، چوتھے کونے نہ جانا" ــــ مگر آدم چوتھے کونے چلے گئے ــــ اللہ نے کہا
"بس اتنا ہی عشق ہے۔ ایک درخت کی خاطر معشوق کی بات نہ مانی۔ جاؤ زمین پہ تمہارے
عشق کو میں نے آزما کے دیکھ لیا۔ میرے حسن کے مطابق تمہارا عشق نہیں ہے"

اب اللہ نے کہا۔ "کوئی اور عاشق ہے جو میرے حسن کے مطابق عشق کر کے دکھائے؟"

چنانچہ ایک عاشق نے کمر ہمت باندھی۔

"خداوندا میں تیرے حسن کے مطابق عشق کروں گا"

اللہ نے کہا۔ "شاباش۔ میرے حسن کے مطابق عشق کر کے دکھاؤ"

چنانچہ اس عاشق نے تقریباً نو سو سال منازلِ عشق طے کیں۔ ریاضتیں کیں۔ منتیں کیں
پتھر کھائے۔ تکلیفیں اٹھائیں۔ اللہ سے عشق کی مکمل مشق کی اور جب اپنے نزدیک عشق
کامل ہو گیا تو اللہ نے کہا۔

"میرے چاہنے والے! ہمارے عشق کا امتحان دو"

کیا؟

"کشتی میں سوار ہو جاؤ۔ اور دیکھو کسی نالائق کو آواز نہ دینا" چنانچہ وہ بیٹھ گیا

اور مجبوراً نالائق کو بیٹا سمجھ کے آواز دے دی

اللہ نے کہا۔ بس اتنی سی بات ہے۔" چنانچہ نو سو سال کا عشق ایک امتحان میں ناکام ہو گیا اور زمین شرم سے پانی پانی ہو گئی۔ پھر ایک اور بندے نے کمر ہمت باندھ لی۔

"خداوندا۔ میں تجھے عشق کر کے دکھاؤں گا۔ تو بھی کیا یاد کرے گا کہ کوئی عاشق ملا تھا۔"

اللہ نے کہا:۔

"اچھا آ جاؤ میدان میں"

بہر نوع۔ اُس نے امتحانِ عشق دینا شروع کیا۔ پہلا امتحان میدان یہ تھا کہ ؎

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق

اللہ گواہ ہے۔ ابراہیمؑ نے وہ امتحان دیا ہے کہ لطف آ گیا۔ اللہ کا عاشق جب کرین سے جھٹکا دے کر آگ میں پھینکا گیا تو آپ بتائیں جب وہ فضا میں آ رہا تھا۔ آگ تک ابھی پہنچا نہیں تھا۔ کرین سے چل پڑا تھا۔ جب فضا میں تھا تو پورا بے بس تھا یا نہیں؟۔ "بے بس" ایسی بے بسی کے عالم میں تو ڈوبتے کو تنکے کا سہارا ہی کافی ہے۔ اگر کوئی شے اُس کے ہاتھ آ جاتی تو وہ اُسے اپنے بچانے کے لئے پکڑ لیتا یا نہیں؟ "پکڑ لیتا" اس بے بسی کے عالم میں جبرئیلؑ جیسا قوی فرشتہ اُس کے پاس آیا اور گود میں لے لیا۔

"ابراہیمؑ آگ میں جا رہے ہو؟"

"ہاں"

بچالوں۔ مدد کروں؟ —— ابراہیمؑ نے جواب دیا۔

"مدد تو مجھے ضرور چاہیئے۔ مگر تم سے نہیں۔ جاؤ، ہٹو، میرا رستہ چھوڑو۔"

جبرئیلؑ سر جھکائے سدرہ پر آ کے بیٹھ گئے۔ اللہ نے پوچھا۔

"جبرئیلؑ کیسا مزاج ہے؟

جبرئیلؑ نے کہا "خداوندا۔ کیا بتاؤں۔ عجیب بندہ ہے۔ ایسے موقع پر مجھے جھڑک دیا۔"

اللہ نے کہا۔ جبرئیل ! یہ امتحانِ عشق تھا۔ میں نے کہا تھا کہ انی اعلم مالا تعلمون

اب چونکہ اس بندے نے عشق کی اس ادا کو دکھایا ہے لہٰذا اس کا انعام یہ ہے کہ عشق و آگ دونوں ٹکرائیں گے ۔ دیکھتے ہیں عشق کی آگ قوی ہے یا یہ آگ ! چنانچہ آتشِ عشق نے اس آگ کو بھی گلزار بنا دیا۔ بہر نوع : اللہ نے امتحان لیا اور ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا

" ابراہیمؑ ! شاباش۔ تم تو میرے عشق میں پورے اترے ۔ ذرا ایک امتحان اور بھی دے دو۔"

" خداوندا ۔ کیا ؟

" اپنے بیٹے کو ہمارے عشق پہ قربان کر دو۔"

" خداوندا ۔ یہ بھی کوئی بات ہے ۔ میں ابھی اپنے بیٹے کو تیرے عشق میں ذبح کیے دیتا ہوں۔ چنانچہ بیٹے کے گلے پہ چھری تو رکھ دی ۔ اللہ کے حسن کے مطابق عشق میدان میں آگیا ۔ مگر کیا بتاؤں عین وقت پہ اچھے خاصے عاشق کی آنکھوں پہ کیا پٹی بندھ گئی ۔"

اللہ نے کہا

" ابراہیمؑ ! تم میرے عاشق نہیں ۔ دوست ہو ۔"

بہر نوع ۔ اس کے بعد ایک اور زوردار انسان میدانِ عشق میں کود پڑا۔

" میرے اللہ ! میں تجھ سے عشق کروں گا۔"

سامعین !

کوئی عاشق یہ گوارہ نہیں کر سکتا کہ کوئی میرے محبوب کا مقابلہ کرے ۔ چنانچہ اتفاقاً تختِ مصر پہ بیٹھنے والا فرعون، موسیٰؑ کے محبوب کا تمسخر اڑا رہا تھا مگر عاشق زوردار تھا ڈنڈا لے کر پہنچ گیا۔

" تو ہے جو میرے اللہ کا مقابلہ کر رہا ہے ؟

" ہاں ۔ میں ہوں ۔"

"شرم نہیں آتی؟
"نہیں آتی"
"کیا یاد کرے گا؟"
یاد کیا کروں گا۔ بس میں اللہ ہوں"۔
اب جو فرعون نے یہ کہا تو موسیٰ کو غصہ آگیا اور پکڑ کر دریائے نیل میں وہ غوطے دیئے ہیں کہ "مصری" تھا گھل کے رہ گیا — بہر نوع یہ اللہ کے عشق کا کمال تھا۔ موسیٰ کے بعد اللہ نے چاہا کہ کوئی اور عشق ملے جو میرے عشق کو کمال تک پہنچا دے۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ تشریف لے آئے۔
"عیسیٰ! ہمارے حسن کے مقابلے کا عشق پیش کرو گے؟
"ہاں خداوندا — میں عشق کرنے آیا ہوں۔ مجھ میں بڑا کمال ہے"۔
"عیسیٰ! تم میں کیا کمال ہے؟
"خداوندا — مجھ میں بڑا کمال ہے۔ مجھ میں بڑی خوبیاں ہیں"۔
مگر جب امتحانِ عشق کی باری آئی تو گھبرا کے کہا۔
"خداوندا — بات یہ ہے کہ اب تو واپس بلا لے۔ پھر سہی"۔
چنانچہ اللہ نے عیسیٰ کو واپس بلا لیا۔ اب ان کے بعد حضور خاتم الانبیاءؐ تشریف لائے۔ محمدؐ اور اللہ کی راز و نیاز کی باتیں بہت پرانی تھیں۔
اللہ نے محمدؐ سے یہ نہیں کہا "ہم سے عشق کرو گے یا نہیں؟" بلکہ محمدؐ نے خود کہہ دیا۔
"خداوندا — وہ وقت تو گذر گیا — اب میں امتحان عشق دیتا ہوں۔ اگر تیرے حسن کے مطابق عشق پیش نہ کیا تو اپنا کلمہ پڑھوانا چھوڑ دوں گا اور اگر تیرے حسن کے مطابق عشق پیش کر دیا تو تجھے بھی میرا کلمہ پڑھنا پڑے گا"۔
اللہ نے کہا "محمد! تم تو بڑے زبردست عاشق ہو"۔

"ہاں - زبردست عاشق ہوں - اللہ حسن!
چونکہ میں ایک نہیں ہوں، پانچ کا مجموعہ مل کے محمدؐ بنا ہوں۔ لہٰذا
اگر میں نے امتحان دے دیا تو تو کہے گا۔
باقی چار رہ گئے۔"
تو یوں کرتے ہیں میرے اللہ! جو سب سے چھوٹا ہو اُسے اپنے
عشق میں آزمالے۔ اگر اس نے تیرے حسن کے مقابلے میں عشق دکھایا
پھر تو تو مان جائے گا نا۔" پھر تو تو قائل ہو جائے گا۔"

بس بھائیو!
جب اللہ نے کہہ دیا "ہے کوئی جو میرے حسن کے مقابلے میں عشق پیش کرے
تو پرآوردہ آغوشِ محمدؐ سے ایک بچہ اٹھا۔
"خداوندا — نام ہے میرا حسینؑ۔ تو ہے حسین اور میں ہوں حسینؑ۔ اب تیرا
میرا مقابلہ ہے۔ حسن میں تو کامل اور عشق میں، میں کامل۔ تو حسن کی انتہا۔ میں عشق
کی انتہا — نہ تیرے حسن کی کوئی حد نہ میرے عشق کی کوئی حد۔

میرے اللہ!
میں تیرے حسن کے مقابلے کا عشق دکھاتا ہوں۔ بتا کیا چاہتا ہے؟
اللہ نے پوچھا "حسینؑ وطن چھوڑنا آسان بات ہے؟
فرمایا: نہیں۔ مشکل بات ہے۔ جس زمین پہ گھٹنوں چلے ہوں۔ کھیل کے جوان ہوئے
ہوں اُسے چھوڑ دینا آسان بات نہیں — مگر تیرے عشق پر سب کچھ چھوڑ دیا۔"
"حسینؑ! پردیس میں جانا پڑے گا۔"
"ہاں! پردیس میں جا رہا ہوں۔"
اللہ نے کہا حسینؑ! جنگل میں جانا ہو گا۔"

"ہاں میں جنگل میں جا رہا ہوں۔ تو اپنا امتحان لے۔ اگر تجھ سے" بس" نہ کہلوا دوں تو حسینؑ نہ کہنا۔"

"حسینؑ! تیرے سامنے پانی ہے۔"

"ہاں ہے۔"

"حسینؑ! پیاسا رہنا پڑے گا۔"

"ہاں پیاسے رہیں گے۔"

آج حسینؑ اور عشق میں ضد پڑ گئی۔ اُدھر اللہ کا بے پناہ حسن ہے۔ اِدھر بندے کا بے پناہ عشق ہے۔

اللہ نے پوچھا

"حسینؑ! بولو۔ بیٹے کے معاملے میں امتحان دو گے؟

ہاں۔ ایک نہیں۔ دو بیٹے۔

دیکھ میرے اللہ! تیرے اسماعیل سے زیادہ شاندار ہے میرا بیٹا۔

اور دیکھو!

میں اس کے کلیجے سے برچھی کھینچ رہا ہوں۔

اچھی طرح دیکھ لے میرے اللہ!

میری آنکھوں پر کوئی پٹی تو نہیں بندھی ہوئی۔ میرا ہاتھ تو نہیں لرز رہا۔ میرے لبوں پہ مسکراہٹ ہے یا نہیں۔ میرے اللہ اچھی طرح دیکھ لے۔ کوئی یہ نہ کہے کہ حسینؑ کے دل میں جذباتِ محبت تھے ہی نہیں۔ جذباتِ محبت دبا کے عشق دکھا رہا ہوں۔ جذباتِ محبت تو اتنے ہیں کہ کالی داڑھی سفید ہو گئی اور جذبۂ عشق سے کہ ہنس کے برچھی کھینچ رہا ہوں۔"

بہرنوع! حسینؑ نے جب عشق کی ساری منزلیں طے کریں تو اللہ نے کہا۔

"حسینؑ! تُو نے تو کمال کر دیا"

حسینؑ نے جواب دیا۔ میرے اللہ! ابھی کیا کمال تُو نے دیکھا ہے۔ دیکھ تو سہی میرا کمال کیا ہوتا ہے:

"حسینؑ! میں تو جب جانوں تیرا عشق کامل ہے جب زینبؑ ننگ سر ہو جائے"

بس یہاں آ کے حسینؑ ذرا چپ ہوا ہی تھا کہ "پدر نا تواند پسر تمام کند" زین العابدینؑ اٹھ کے کھڑا ہو گیا۔

"خداوندا اس معاملہ میں، میں امتحان دوں گا۔ بے شک میرے سامنے زینبؑ ننگ سر ہو جائے۔ بے شک میری بہنیں ننگ سر ہو جائیں بے شک میری ماں ننگ سر ہو جائے:

بہرنوع! زین العابدین نے کہہ دیا "خداوندا! میں تیرے حسن کے مطابق عشق پیش کروں گا:

آج زین العابدینؑ قیدی بن کے جا رہا ہے۔ پاؤں میں بیڑیاں بھی ہیں۔ ہاتھوں میں ہتھکڑی بھی ہے۔ گلے میں طوق بھی ہے۔ ننگے سر ماں بہنوں کے اونٹوں کی مہار بھی ہاتھ میں ہے۔ مگر اول وقت پہ نماز بھی ہے۔ اُدھر نماز کا اول وقت ہے اِدھر وہی قیدی ہتھکڑی بیڑی کے ساتھ اونٹوں کی قطار پکڑے ہوئے اذان کہہ رہا ہے۔ قدرت نے جب یہ نماز دیکھی تو اللہ جیسا معبود کہہ اٹھا۔ "تو سید الساجدین ہے" جب رات بھر اس قیدی کی عبادت دیکھی تو معبود مان گیا۔ "تُو زین العابدین ہے"

ادھر زین العابدینؑ کہتے ہیں۔

"خداوندا۔ تُو نے میرا عشق دیکھا۔ میرا بھائی۔ میرا قوتِ بازو۔ میرا جوان بھائی علی اکبر میدان میں گیا۔ باپ نے ابراہیمؑ والا صبر دکھایا۔

خداوندا! ذرا میرا صبر بھی دیکھ لے :

سامعین!

یوم عاشور جب علی اکبرؑ میدان میں تشریف لائے تو امام زین العابدینؑ نے حکم دیا۔
"میرے خیمے کا پردہ اٹھادو۔ میں اپنے بھائی کا جہاد دیکھنا چاہتا ہوں" چنانچہ خیمے کا پردہ اٹھا دیا گیا۔ آپ تکیہ لگا کے بیٹھ گئے۔ اکبرؑ میدان میں جہاد کر رہے تھے اور جب اکبرؑ کے کلیجے پہ برچھی لگی تو امام زین العابدینؑ نے اپنی آنکھوں سے برچھی لگتی دیکھی، اکبرؑ نے بعد میں پکارا ہے۔ زین العابدینؑ نے پہلے آواز دی "بابا اکبر زخمی ہو گیا" اسی دوران حصین ابن نمیر نے وہ برچھی پکڑ کے کھینچی۔ جوان ہڈیوں میں پھنسی ہوئی برچھی۔ اس نے جھٹکا دے کے جو کھینچی تو برچھی کا پھل وہیں ٹوٹ کے رہ گیا اور اس کی چوب خون سے تر ہو کر اس کے ہاتھ میں آگئی تو اُس نے خون آلود چوب بلند کر کے آواز دی۔

"حُسینؑ! زین العابدینؑ!

"دیکھو یہ علی اکبرؑ کا خون ہے"

گویا علی اکبرؑ کو قتل کرنے سے بھی یہ زیادہ شقاوت تھی جو باپ، بھائی کو اس طرح خون دکھایا — اس موقعہ پر زین العابدینؑ نے حکم دیا۔ "خیمے کا پردہ گرا دو"

بس بھائیو!

اب ایک واقعہ اور سُن لو۔ جب زین العابدینؑ قید سے رہا ہو کر مدینہ پہنچے تو یزید نے ایک لشکر بھیجا جس نے مدینے کو لوٹا۔ پھر وہی لشکر مکہ لوٹنے آیا۔ جب انہوں نے مکہ کا محاصرہ کیا ہوا تھا تو یزید کے مرنے کی اطلاع آگئی۔ اور یزید کی موت کی خبر سن کے وہ فوج اپنے سردار کو چھوڑ کر بھاگ گئی اس وقت اس فوج کا سردار حصین ابن نمیر قاتلِ شہزادہ علی اکبرؑ — اب وہ اکیلا رہ گیا۔ مدینے کو لوٹا تھا۔ مکہ پر ظلم کیا تھا۔ وہ یہ سمجھا کہ اگر ان لوگوں کے ہاتھ آگیا تو اللہ جانے کیا سزا دیں گے — چنانچہ جنگلوں میں مارا مارا پھرتا رہا۔

تاکہ یہاں سے کسی طرح نکل کر شام پہنچ جائے ۔۔ مگر کوئی سبیل نظر نہ آئی۔ آخر بھوک پیاس سے مرنے لگا۔ پانی کی تلاش میں جنگل میں مارا مارا پھر رہا تھا۔ دیکھا کہ سامنے خیمے لگے ہوئے ہیں۔ قریب گیا۔ پوچھا۔

یہ کس کے خیمے ہیں؟ ۔۔ کسی نے کہا ۔ امام زین العابدینؑ کے۔

اب جو اُس نے امام زین العابدینؑ کا نام سُنا تو کربلا کا واقعہ یاد آگیا ۔۔ سوچنے لگا۔ انہیں تو میں نے بہت ستایا ہے۔ اگر ان کے ہاتھ آگیا تو اللہ جانے مجھے کیا سزا دیں گے۔ وہیں سے واپس لوٹنے لگا۔ ابھی چند قدم چلا ہی تھا کہ اُس کے کان میں بڑی شیریں اور پیاری سی آواز آئی۔

" بھائی عرب! واپس آؤ ۔۔ کیوں جا رہے ہو!

وہ واپس آیا۔ دیکھا تو امام زین العابدینؑ سامنے کھڑے ہیں۔ دل میں خوش ہوا کہ امامؑ نے مجھے پہچانا نہیں ۔۔ آخر کچھ دیر بعد وہ ظالم بولا۔

" قبلہ مجھے بھوک لگی ہے۔"

امامؑ نے فرمایا ۔ " ہاں بیٹھو ۔"

جب وہ بیٹھ گیا تو امامؑ نے اپنے باورچی کو حکم دیا۔

بھائی عرب کے لئے گرم روٹی لاؤ ۔ ٹھنڈا پانی لاؤ۔"

پہلے اُسے کھانا کھلایا۔ پھر اپنے ہاتھ سے جام بھر کے پانی پلایا۔ جب وہ خوب سیر ہو کے کھا چکا تو اسے نیند آگئی ۔۔ سو گیا۔ اب جو تین چار گھنٹے بعد اُس کی آنکھ کھلی تو اُس نے سوچا۔ " اب تک تو کسی نے مجھے پہچانا نہیں اگر پہچان لیا تو قتل کر دیں گے۔ بہتر ہے فوراً چلا جاؤں۔" چنانچہ ایک دم آنکھ کھلتے ہی چل پڑا ۔ ابھی تھوڑی دور چلا ہی تھا کہ امامؑ نے آواز دی۔

ٹھہرو کہاں جا رہے ہو؟

"جناب مجھے جلدی ہے"

امامؑ نے فرمایا " اچھا۔ یوں کرو۔ میری سواری کے اونٹوں میں سے ایک اونٹ لے لو۔ تین چار دن کا کھانا ساتھ باندھ لو۔ پانی کی مشک بھی رکھ لو تاکہ تمہیں راستے میں کوئی تکلیف نہ ہو۔"

اب جو امامؑ نے یہ فرمایا تو حصین ابن نمیر کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔

"حضور! شاید آپ نے مجھے پہچانا نہیں"

امامؑ نے فرمایا۔" میں نے پہچان لیا ہے۔ تُو حصین ابن نمیر ہے نا۔"

بس اب جو اُس نے اپنا نام سُنا تو تھر تھر کانپنے لگا۔

"قبلہ وہی ہوں"

امامؑ نے فرمایا۔

" ڈرو مت۔ گھبراؤ مت۔ کربلا میں ہم تمہارے مہمان تھے۔ آج تم ہمارے مہمان ہو۔"

سامعین! یہ فرق ہے آلِ محمدؐ میں اور ہم میں۔ اُن کا عشق اللہ سے ہے۔ بس اس عشق کو دیکھ کے اللہ پکار اٹھا۔

" اے نفسِ مطمئنہ!

تم نے میرے عشق کا کمال کر دیا۔"

شجاعت

اور

ملوکیت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خداوند عالم عز اسمہٗ جل جلالہٗ کی حمد و ثنا کے بعد حضرت محمدؐ و آلِ محمدؐ پر درود و سلام

حضراتِ گرامی!

اللہ تعالیٰ نے انسان میں جو طاقتیں ودیعت کی ہیں ان میں اسے متضاد طاقتوں کا مالک بنایا ہے اور انسان کی خوبی ہی یہی ہے کہ اس میں بیک وقت متضاد طاقتیں موجود ہیں۔ گویا انسان انتہائی مہربان و رحیم بھی ہے اور انتہائی بے رحم بھی ہے۔ انتہائی عادل و منصف بھی ہے اور انتہائی ظالم بھی ہے۔ انتہائی کمزور بھی ہے اور انتہائی طاقتور بھی ہے۔ انتہائی جاہل بھی ہے اور بہترین عالم بھی ہے۔ انسان اگر اپنی عزت و شرافت پر آجائے تو فرشتوں سے سجدہ کروائے اور اگر اپنی خباثت پہ اتر آئے تو پتھروں کو خود سجدہ کرے۔ کہاں انسان کا وہ شرف کہ فرشتے اسے سجدہ کریں اور کہاں اس کی یہ توہین کہ یہ خود پتھروں کے سامنے سجدہ کرے یا گنگا کے سامنے گھٹنے ٹیک دے۔

اہلِ لاہور! آپ تو پنجاب میں رہنے والے ہیں۔ آپ نے تو ماشاء اللہ حدیثیں پڑھی ہیں اور راویوں سے واسطہ رکھا ہے۔ مگر ہندوستان میں جاکر دیکھیے تو پتہ چلتا ہے کہ تقریباً بیس کروڑ انسانوں کی زبانیں گنگا کو ماں کہتے کہتے گھس رہی ہیں۔ ادھر گنگا بھی یہ سمجھ

بیٹھی کو بغیر بچے ہوئے، اماں بن بیٹھی ہوں۔ اس سے بہتر اللہ کیا ہے۔ بہرنوع پورے بیس کروڑ ہندوؤں نے گنگا اماں کہہ کر گنگا کا دماغ خراب کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہر سال۔ اماں کو غصہ چڑھتا تو سیلاب آجاتا اور اپنے ہی بچوں کو بہالے جاتی۔ بیچارے لاکھ کہہ رہے ہیں۔ اماں! جانے بھی دو مگر اماں کو غصہ آیا ہوا ہے۔ چنانچہ۔ اماں کی یہ حالت دیکھ کر بچے رات دن دعائیں مانگتے ہیں۔

یا اللہ! اماں کو غصہ نہ آئے!

"اماں کناروں سے باہر نہ نکلے" اس لئے کہ "اماں گھر سے نکلی نہیں تو بچوں کی خیر نہیں"

تقریباً ایک سو برس پہلے انگریز قوم ہمارے ملک میں آئی تھی۔ وہ سمجھ گئی کہ گنگا میں سیلاب کیوں آتا ہے! چونکہ گنگا اماں بن کے بیکار بیٹھی ہے (اور یہ بیکاری کا مشغلہ ہے کہ چلو اور نہیں تو کناروں سے ہی اچھل پڑو۔ لہٰذا انگریزوں نے جگہ جگہ نہریں کاٹ کاٹ کے چکیاں لگا دیں۔ اب جو اماں" کو چکی پیسنا پڑی تو بگڑا ہوا دماغ صحیح ہو گیا۔ بہرنوع! انسان کی عزت تو یہ ہے کہ دنیا کی ہر شے اس کے تابع فرمان ہے۔ جبرئیل جیسا فرشتہ اس کا غلام ہے۔ گویا اگر انسان بلندی پر پہنچنا چاہے تو کعبہ کو بھی اس کے نعلین کو چھوئے اور اگر پستی پہ گرنا چاہے تو پتھر کو سجدہ کرے۔ انسانی فطرت میں یہ عجیب تضاد ہے۔

سامعین! بات سے بات نکلتی ہے اور سلسلۂ گفتگو بڑھتا جاتا ہے۔ آپ ایمان سے بتائیں کہ کون احمق انسان ایسا ہوگا جو بسلامتیٔ ہوش و حواس پتھر کو خدا کہتا ہو۔ ؟ "نہیں"۔ مگر بڑے بڑے عقلمند کہہ رہے ہیں کہ پتھر کو سجدہ کرو، اور عقلمند بھی وہ جو اگر اسمبلی میں تقریر کریں تو دنیا کو حیران کر دیں، سیاسی گفتگو کریں تو ساری دنیا کو چکر میں ڈال دیں اور اگر گھر میں جائیں تو پتھر کے سامنے ہاتھ جوڑ کر بیٹھ جائیں۔ یا تو عقل کی وہ تیزی یا دماغ کی یہ خرابی۔ اب اگر ان سے کوئی پوچھے۔ تمہاری عقل پر کیا پردہ پڑ گیا کہ تم ان پتھروں کو پوج رہے ہو؟ تو وہ جواب دیتے ہیں: "تمہاری عقل خراب ہے۔ کون کہتا ہے کہ ہم پتھر پوجتے ہیں۔ ہم تو نرا کار پوجتے ہیں۔ ہم تو پرمیشر کو پوجتے ہیں۔ ہم تو پرماتما کو پوجتے ہیں؟"

پھر تم نے پتھر کیوں سامنے رکھا ہوا ہے؟

وہ جواب دیتے ہیں، "یہ پتھر ہمارا وسیلہ ہے"

ہم نے پوچھا، پتھر کو کیوں وسیلہ بنایا ہے؟

انہوں نے جواب دیا، "ہم گنہگار ہیں۔ پتھر بے گناہ ہے۔ وسیلہ وہی بن سکتا ہے جو بے گناہ ہو"

اب تو میں بھی چپ ہو گیا کہ گنہگار سے تو پتھر ہی کو وسیلہ بنانا بہتر ہے۔ بہر نوع انسانی فطرت کی یہ عادت ہے کہ ہر انسان خواہ وہ بڈھا ہو یا جوان۔ نادان ہو یا بچہ اُسے نفرت ہوتی ہے ٹوکنے والے سے اور پیار ہوتا ہے نہ ٹوکنے والے سے۔ اب چونکہ اللہ بھی ٹوکتا ہے لہٰذا انسان نے سوچا کہ چھوڑو ایسے اللہ کو جو ٹوکتا ہو۔ کیوں نہ ہم ایسا اللہ بنائیں جو ٹوکتا نہ ہو۔ چنانچہ بتوں کو اللہ بنالیا جو کسی کو ٹوکتے ہی نہیں تھے۔ پوجو تو واہ نہیں کہتے۔ توڑ دو تو بُرا نہیں کہتے۔ لہٰذا یہ نہ ٹوکنے والے اللہ اچھے ہیں ___ سامعین! اگر چند پشتیں نہ ٹوکنے والے کو پوجتے گذر جائیں اور جب ایسی دو چیزیں سامنے آئیں گی۔ ایک ہو ٹوکنے والی۔ ایک ہو نہ ٹوکنے والی۔ تو بُت پرستی کی عادت یہ کہلوادے گی کہ ہمیں نہ ٹوکنے والی کافی ہے۔ چونکہ عمر بھر نہ ٹوکنے والی کو پوجتا رہا اس لئے ٹوکنے والے سے نفرت ہو گئی۔ بہر نوع انسان اپنے اعمال و افعال سے فرشتہ بھی ہے اور ذلیل و خوار بھی ہے۔

محترم سامعین! انسان کے اندر خدا نے ایک شے رکھ دی ہے جسے "عقل" کہتے ہیں۔ عقل ایک ایسی شے ہے جسے ہر شخص یہ سمجھتا ہے کہ مجھ میں سب سے زیادہ ہے۔ اپنی ہر بات اچھی معلوم ہوتی ہے۔ اور لفظ "اپنا" ہی بڑا پیارا ہے۔ اپنا گھر، اپنا کنبہ، اپنا قبیلہ، اپنا خاندان، اپنی اولاد، اپنا مذہب۔ اپنا وطن۔ گویا جہاں لفظ اپنا آجائے بڑا پیارا آتا ہے۔

ضلع جھنگ کے ایک گاؤں میں چند دیہاتی اکٹھے بیٹھے ہوئے تھے۔ "اپنوں" کی بات ہو رہی تھی۔ ایک نے کہا، "ساڈے بابا سائیں بڑے چنگے لوگ تھے"۔

کیا چنگائی تھی؟ ___ "اکیلے چوری کردے ہوندے سن بہشتی ___ اک واڑے چوری

کرن گے تے اور بے ایمان جاگدے سن ؟

سامعین ! آپ نے بھینس کے مثال دیا اور میری ساری زندگی کا محور یہی بات ہے۔ بابا اپنا تھا۔ اس لئے باوجود چور ہونے کے وہ جنتی تھا اور گھر والے چونکہ جاگ رہے تھے وہ بے ایمان بن گئے۔ ـــــ یہ ہے اپنوں کی طرفداری کی بات کہ جسے اپنا" بنالیا وہ اگر چور بھی ہے تو جنتی ہے اور جو گھر والے تھے وہ اگر جاگ بھی رہے ہیں .... - - - - - - - -

بہرنوع انسان اپنے سے زیادہ عقل مند کسی کو سمجھتا ہی نہیں چاہے وہ جتنا ہی بے عقل کیوں نہ ہو۔

یاد رکھو سامعین !

اگر واقعا انسان میں عقل ہے اور اس کے افعال وعادات ، اس کا اٹھنا بیٹھنا ، چلنا پھرنا اگر عقل کے ماتحت ہے تو یہ انسانیت ہے۔ اور اگر عقل کے خلاف ہے تو انسانیت نہیں ہے نرا کھانا پینا یا گھر بنانا ، یہ تو عقل نہیں ہے۔ صرف ان باتوں کو عقل کہا جائے تو آپ ایمان سے بتائیں کہ انسانی خوراک میں اب تک سب سے اعلیٰ شے کیا آئی ہے ؟ " شہد "۔ شہد سے بہتر غذا آج تک انسان نے ایجاد ہی نہیں کی۔ ہم نے شہد کھایا اور ذرا ہونٹوں پہ لگا رہنے دیا۔ تنبو گئے اکڑے ہوئے کہ ہم نے شہد کھایا ہے۔ انسانوں کے سامنے تو اکڑ لیا مگر مکھی نے جو دیکھا تو کہا ، میری قے کھا کے اکڑ رہا ہے۔

بہرنوع ! شہد کھایا تو مکھی کی خیرات ، مکھن کھایا تو بھینس کی خیرات اور اونی لباس پہنا تو بھیڑ نے برا منایا کہ میرے بدن کا اُترن ـــــ یہ تو ہے انسانی خوراک ولباس کا عالم۔

انسانو ! اگر مکان بنانے پہ ناز کرو کہ ہم نے تاج محل بنالیا جس کے لئے سینکڑوں انجنیئرز بلوائے ہوں گے۔ ہزاروں نقشہ نویس منگوائے ہوں گے۔ لاکھوں کاریگر اور مزدور آئے ہوں گے۔ کروڑوں اینٹ پتھر مصالحہ اکٹھا کیا ہوگا۔ تب جاکے یہ مکان بنا ہوگا۔ یہ تو ہمارے مکان بنانے کی شان ہے مگر ایک ننھی سی جان ، ذرا سا قد ، چھوٹی سی حیثیت ۔ بے حقیقت سی مکھی ، جب مکان بنانے کا

ارادہ کرتی ہے۔ تو اللہ پر توکل کیا۔ نہ کسی انجنیئر سے نقشہ بنوایا نہ کسی مزدور کو بلایا۔ نہ کسی معمار کو آواز دی۔ نہ کسی کاریگر کو پکارا۔ گھر بیٹھ کے کہا۔

"پیدا کرنے والے! میں ننھی سی مکھی ایک مکان بنانا چاہتی ہوں۔ تو میری مدد فرما۔" چنانچہ اللہ نے وحی کی روشنی دے دی۔ وحی کی مشعل ہاتھ میں لے کر مکھی گھر سے نکلی۔ باغ میں پہنچی۔ باغیوں کی طرح باغ کو پامال نہ کیا۔ باغ کی ایک ایک کلی میں کھو گئی۔ ایک ایک کلی چومی۔ ایک ایک پتے کو پیار کیا۔ ایک ایک شاخ کو سلام کیا۔ ایک ایک درخت پہ جا کے بیٹھی۔ ایک ایک پھول سے گفتگو کی۔ اور تمام پھولوں میں سے ایک پھول کا انتخاب کیا۔ قریب جا کے سلام کیا۔ اس ادا سے سلام کیا کہ پھول جواب میں مسکرایا۔ اور جب مسکرایا تو منہ کھول دیا اور یہ چپکے سے پھول کی گود میں جا کے بیٹھ گئی۔ مکھی پھول سے میٹھی میٹھی باتیں کرتی رہی اور پھول ہنستا رہا۔ عارضِ گل پہ خراش نہ آنے دیا۔ دامنِ گل پہ گرد نہ پڑنے دی۔ چنانچہ پھول مسکراتا رہا اور یہ اپنے گھر کا مصالحہ بھی جمع کرتی رہی اور خوراک بھی اکٹھی کرتی رہی۔ پھر ایسا گھر بنایا کہ بنا رہے تو بے کار اور اگر ٹوٹ جائے تو ہمارے لیے "فیہ شفاء للناس"۔

بہرحال۔ صرف مکان و عمارت بنانے سے عقل نہیں آتی۔ عقل کے معنی یہ ہیں کہ انسان یہ سمجھ لے کہ اس وقت مجھے کیا کرنا چاہیئے۔ اور یہ سوچ لے کہ عقل اس وقت کیا چاہتی ہے وہ اصل انسانیت ہے۔ اگر عقل یہ چاہتی ہو کہ اس وقت تلوار چلانی ہے تو پھر تلوار اتنی چلائے کہ اس کی چلائی ہوئی تلوار کو قلعوں کے در نہ روک سکیں۔ پہلوانوں کے سر نہ روک سکیں۔ حد یہ کہ جبرئیلؑ کے پر نہ روک سکیں۔ اور اگر عقل کہہ دے "نہیں، اب تلوار رشید کرنی ہے" تو بڑے بڑے بزدل اگر گلے میں رسی ڈال لیں تو پرواہ نہیں۔ اگر عقل کہے کہ اب جاگتے رہنا ہے تو ساری رات جاگ کے گذر جائے اور "لیلۃ الہریر" دنیا کی تاریخی رات بن جائے۔ اور اگر عقل کہے کہ اب سونا ہے تو ساری رات سو کے گذر جائے تو صبح کو کروٹ نہ بدل جائے۔ اگر عقل کہے کہ روٹی کھانی ہے تو کھا لی جائے اور اگر عقل کہے کہ بچوں کو فاقے سے سُلا دو اور اپنی روٹیاں یتیموں مسکینوں میں

بانٹ دو گیا۔ فطرت عقل کا تقاضا یہ ہے کہ وہ کام کرو جو عقل کے مطابق ہو۔

میرے بھائیو! فلسفۂ اخلاق کی اصطلاح میں عقل کے مطابق نقل و حرکت کو شجاعت کہتے ہیں چاہے وہ گھر کے اندر ہو یا گھر سے باہر ہو ـــ لڑنے جھگڑنے کو شجاعت نہیں کہتے۔ مالک الملک بننے کو شجاعت نہیں کہتے بلکہ عقل کے مطابق عمل کرنے کو شجاعت کہتے ہیں۔

یاد رکھو! عقل کی باتیں اور ہیں۔ دنیا پہ قبضہ کرنے کی باتیں اور ہیں۔ دنیا پہ تو قبضہ اس طرح ہوتا ہے کہ ـــ رات کو میں سو رہا تھا۔ ایک شخص دبے پاؤں کالی چادر اوڑھے رات کی تاریکی میں میرے کمرے میں گھس آیا اور میری ٹوپی چرا کر لے گیا۔ بتاؤ جو آدمی میری ٹوپی لے گیا وہ کون ہے؟ وہ چور۔ اگر وہ چور پکڑا جاتا تو آپ بھی اس کی پٹائی کرتے۔ پولیس بھی رپٹ درج کر لیتی۔ اور عدالت بھی سزا دیتی۔ مگر اُسے سزا نہیں دی گئی اس لئے کہ وہ پکڑا نہیں گیا۔ گویا گورنمنٹ سزا اس بات کی دیتی ہے کہ چور پکڑا کیوں گیا۔ صرف پکڑے جانے کی سزا دی جاتی ہے۔ نہ پکڑا جاتا تو ہمارا دوست بھی تھا۔ ہمارا بھائی بھی تھا۔ گویا پاس بھی بیٹھتا اور چوری بھی کرتا۔ بہر نوع وہ چور پکڑا نہ گیا۔ اس کا حوصلہ بڑھ گیا۔ اگلے دن پھر آ گیا۔ اور میرا کمبل اٹھا کر لے گیا۔ اسی طرح اور تین چار چوریاں کرنے کے بعد وہ پکڑا نہ گیا۔ اس کا حوصلہ اور بڑھ گیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اس نے دس بیس آدمیوں کا ایک گروہ بنا لیا۔ اب تو اس کے پاس چاقو وغیرہ بھی آ گیا۔ پستول بھی لے لیا۔ سڑک پہ کھڑا ہو گیا۔ ادھر سے کوئی گزرا تو دو طمانچے مارے اور سب کچھ چھین لیا۔ اب وہ کیا کہلائے گا؟ "ڈاکو" گویا جو چور پکڑا نہ جائے اس کی ترقی یافتہ شکل کو ڈاکو کہتے ہیں ـــ دس بیس اور ڈاکے ڈالے۔ اب بھی وہ نہ پکڑا گیا سا ہزار دو ہزار کا گروہ بنا لیا تو وہ اشتہاری ڈاکو بن گیا۔ اب بھی وہ پکڑا نہ گیا۔ اس کا حوصلہ اور بڑھا۔ چنانچہ اس نے دس بیس ہزار ساتھیوں کو اکٹھا کر لیا۔ کہیں سے اسلحہ بھی لے لیا۔ اور ایک شہر پہ ٹوٹ پڑا۔ وہاں کی پولیس کو مارا۔ شہریوں کو قتل کیا اور قبضہ کر کے وہاں کے گورنمنٹ ہاؤس پہ بیٹھ گیا ـــ اب وہ کیا کہلائے گا؟ "اعلیٰ حضرت، ظلِ سبحانی" گویا چور جو پکڑا نہ جائے ـــ اعلیٰ حضرت بھی ہے۔ ظلِ سبحانی بھی ہے اور فاتحِ اعظم بھی ہے۔

چونکہ عمر بھر پکڑا نہ گیا لہٰذا فاتح اعظم ہے۔ ہماری کیا مجال کہ ہم اُسے چور کہیں۔ یوں بنتی ہے ملوکیت۔ یوں بنتی ہے شہنشاہیت۔ یوں بنتا ہے تخت و تاج۔ تخت و تاج کوئی آسمان سے نہیں برستا۔ قتل و غارت اور غصب شدہ تخت کو کہتے ہیں۔

"یہ ہمیں خدا نے عطا کیا ہے۔ یہ ہمیں اللہ نے بخشا ہے۔"

سامعین! مصیبت بن گئی ہے کہ "خدا نے عطا کیا ہے" کا لفظ بھی مولویوں نے سکھا دیا۔

ایک تھانیدار کے گھر مولوی صاحب کی دعوت تھی۔ مولوی صاحب کے اعزاز میں پچاس آدمی اور بلائے گئے۔ پچاس قسم کے کھانے۔ یہاں سے وہاں تک دستر خوان۔ اب جو مولوی صاحب نے دستر خوان دیکھا تو فرمایا۔ ماشاء اللہ۔ دین زندہ ہے۔ اسلام خطرے میں نہیں ہے۔ بہر نوع! مولوی صاحب بہت خوش ہوئے اور پوچھنے لگے۔

"تھانیدار صاحب! آپ کی تنخواہ کیا ہے۔"

قبلہ! گذارا ہوتا ہے۔ تین بیٹے ہیں۔ بڑا بیٹا یورپ میں پڑھتا ہے۔ اسے ایک ہزار ماہوار بھیجتا ہوں۔ دوسرا گورنمنٹ کالج میں پڑھتا ہے۔ تین چار سو روپیہ وہ خرچ کروا لیتا ہے تیرا سکول میں پڑھتا ہے۔ سو روپیہ وہ خرچ کر دیتا ہے۔ والدین زندہ ہیں۔ دو سو روپیہ انہیں بھیج دیتا ہوں۔ اور تقریباً پچاس روپیہ ماہوار گھوڑے کا خرچ ہے۔" تقریباً تین ہزار روپے کا خرچ بتا دیا اور ساتھ ہی کہہ دیا" قبلہ! "تنخواہ تقریباً دو سو روپیہ ہے۔"

مولوی صاحب نے فرمایا۔ "ماشاء اللہ۔ اللہ فضل کرے گا۔" بس اس سے لوگوں کو ہمت ہو گئی کہ وہ اس تخت و تاج اور آمدنی کو اللہ کا فضل کہنے لگے۔ حالانکہ ایک چور کی ترقی یافتہ شکل کو ملوکیت کہتے ہیں۔

سامعین! ایک حقیقی واقعہ سماعت فرمائیے گا۔ جب کابل کا امان اللہ امیر تھا۔ وہ اعلیٰ حضرت تھا۔ یورپ گیا۔ بیوی (ثریا) ساتھ تھی۔ وہاں جا کے وہ اڑنے لگی تو پر کھنچ ہو گئی۔" فارغ البال ہو گئے۔ واپس آئی تو بچہ سقہ شور مچا کر ایک دن کے لئے تخت کابل؟

بیٹھا جب وہ شور مچا رہا تھا تو زمیندار اخبار کے ایڈیٹر مولانا ظفر علی خان نے TITLE PAGE
پر ایک نظم لکھی تھی کہ جس میں اس کی بے پناہ برائیاں کیں۔ نظم کا ایک مصرعہ ملاحظہ ہو ؎

خدا کی شان ہے سقّے کا بچہ مقابل ہے محمد زائیوں سے

اگلے دن جب یہ خبر آئی کہ وہ بادشاہ ہو گیا تو اسی زمیندار اخبار کے (TITEL PAGE)
پر بچہ سقہ کی شاہانہ تصویر تھی اور اس کے نیچے لکھا ہوا تھا "اعلیٰ حضرت حضور پُرنور" گویا
بچے سقہ کو حضور پُرنور وہ کہہ رہے تھے جو رسولؐ کے نور ہونے کے قائل نہیں تھے۔ بہرنوع
وہ حضور پُرنور ہو گیا۔ اُس کے بعد جنرل نادر آیا۔ اُس نے بچے سقہ کو باہر نکال کیا۔ اب یہ اداریہ
لکھا گیا: "اچھا ہوا ایک بدمعاش کو قتل کر دیا گیا" اب جنرل نادر اعلیٰ حضرت بنا دیئے گئے
اقبال نے بھی ایک قصیدہ جنرل نادر کی شان میں لکھ کر بھیج دیا۔ چونکہ نادر امان اللہ کا کرنل تھا
لہٰذا اسی کی طرف سے "بچے سقہ کے خلاف لڑا۔ فتح ہوئی تو خود تخت پر بیٹھ گیا۔ ادھر
اقبال نے قصیدہ مدح میں لکھ دیا۔ سارا قصیدہ تو مجھے یاد نہیں ہے۔ ایک شعر سناتا ہوں
(بچو! ترجمہ تم خود کرنا) ؎

قتل کردی کافر زندیق را (تو نے کافر زندیق (بچے سقہ) کو قتل کر دیا۔
زندہ کردی سنتِ صدیق را (تو نے سنتِ صدیق زندہ کر دی۔

ہم بھی بہت خوش ہوئے کہ جنرل نادر نے سنتِ صدیق زندہ کر دی۔ پھر یہ تشویش ہوئی
کہ سنتِ صدیق کس طرح زندہ کی گئی۔ رات بھر سوچا۔ دن چڑھے سمجھ آئی کہ جنرل نادر امان اللہ
کا نوکر تھا۔ اس کی طرف سے لڑا اور فتح ہونے پر خود تخت پر بیٹھ گیا۔ گویا مالک کے تخت پہ
بیٹھنا سنتِ صدیق ہے۔ بہرنوع جو چور پکڑا نہ جائے وہ اعلیٰ حضرت بھی ہے ظلِ سبحانی بھی
ہے اور حضور پُرنور بھی ہے۔ اگر عقل کے مطابق عمل ہو تو شجاعت کہلاتی ہے ورنہ وہ چوری
ہے۔ اور چوری کی ترقی یافتہ شکل کو ملوکیت کہتے ہیں۔

محترم سامعین! میں یہاں اپنے بیان کو ختم کرتا ہوں کہ نوجوان بچے مجھ سے فرمائش کرتے تھے

• زیدی صاحب! خیبر سناؤ۔ خندق سناؤ!

میں کہتا ہوں • بچو! تمہارا گرم خون ہے۔ لڑائی میں تمہیں لطف آتا ہے۔ مگر میں بڈھا آدمی ہوں مجھ سے خندق و خیبر اب بیان نہیں ہو سکتا۔ چونکہ خیبر اور سفید داڑھی کا آپس میں کوئی جوڑ ہی نہیں ہے۔ لہٰذا عزت اسی میں ہے کہ خاموش بیٹھا رہوں۔ اگر میں تمہارے کہنے پہ خیبر شروع تو کر بیٹھوں تو بیچ میں سے چھوڑ کر آنا پڑے گا۔ پھر کیا فائدہ۔ بچو! تم ہی میرا مذاق اڑاؤ گے۔ "بابا! جب چھوڑ کر آ ہی جانا تھا تو گیا ہی کیوں تھا؟" پھر نوشا خیبر کی جنگ ہو یا خندق کی، احد کی لڑائی ہو یا بدر کی۔ اگر عقل کے مطابق تلوار چل رہی ہے تو شجاعت ہے ورنہ بیکار ہے۔

اب بتاؤ! جس علیؑ کو رسولؐ "اسد اللہ" کہتا ہو، جسے محمدؐ "ید اللہ" کہتا ہو، اس کا کوئی عمل انسانی عقل سے اِدھر اُدھر تھا؟ ہرگز نہیں۔ مومن بھائیو! تمہارے سینے فخر سے تن نہیں جاتے جب تمہارے سامنے کوئی کہتا ہے۔ "علیؑ وہ ہے جس نے خیبر فتح کیا۔ علیؑ وہ ہے جس نے خندق فتح کیا" ہمیں غرور پیدا ہوتا ہے۔ جب کوئی ہمیں شیعیانِ علیؑ کہتا ہے۔ گویا علیؑ ہمارے غرور کا سامان ہے۔ خدا گواہ ہے۔ ہمارا جی چاہتا ہے دنیا کو کوئی شے نہ سمجھیں۔ تختِ جم کو ٹھوکر ماردیں۔ جب ہم یا علیؑ کہتے ہیں اُس وقت ہمارا سرور ہی کچھ اور ہوتا ہے، ہماری شان ہی کچھ اور ہوتی ہے۔ علیؑ وہ ہے جس نے خیبر کی چولیں ہلادیں۔ علیؑ وہ ہے جس نے خندق کی گرد اڑا دی۔ اتنا بہادر انسان اتنا شجاع انسان، بتاؤ! چشمِ فلک نے علیؑ جیسا انسان دیکھا ہے؟ ۔ "ہرگز نہیں"

سامعین! میں تم سے نہیں پوچھتا۔ علیؑ سے پوچھتا ہوں۔ یا علیؑ!

میرا ایمان ہے کہ آپ سے زیادہ بہادر انسان دنیا میں آج تک پیدا نہیں ہوا۔ آپ سے زیادہ شجاع انسان چشمِ افلاک نے آج تک نہیں دیکھا۔ "یا علیؑ" کہنے کو میں اسمِ اعظم سمجھتا ہوں۔ مگر میرے مولاؑ! میں آپ ہی سے پوچھتا ہوں کہ خیبر کا فتح کرنا ایک طرف۔ خندق کا فتح کرنا ایک طرف۔ بسترِ نبیؐ پہ بے خطر سو جانا ایک طرف۔ ان سب شجاعتوں کو ایک پلڑے میں رکھو اور دوسرے پلڑے میں تین دن کی پیاس میں گرمی کے موسم میں دریا میں جاکر پیاسا نکل آنا۔ اس

کی مثال پوری کائنات کی تاریخ میں نہیں مل سکتی۔ — مگر ایک بہادر دنیا میں ایسا بھی گزرا ہے جس نے تین دن کی بھوک پیاس کے باوجود دریا میں جا کے پانی نہ پیا۔ اتنا قابل جرنیل جس نے بہتّر کو لاکھوں سے لڑا دیا۔ اتنا قابل سپاہی جس اکیلے کے اوپر پورے کنبہ کا ڈھارس تھا۔

نویں محرم کا دن۔ عصر کا وقت اور امامؑ نماز سے فارغ ہو کر مصلّے پر سر جھکائے بیٹھے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اچانک بے حیا فوج نے حملہ کر دیا۔ یہاں تک کر گھوڑوں کے ٹاپوں کی گرد سیدانیوں کے خیموں میں آنے لگی — سیدانیاں " نادِ علیؑ " دم کرکے بچوں کو لے کر خیموں میں دم بخود کھڑی ہیں۔ جب وہ کافی قریب آ گئے تو حسینؑ سرکار کے کمانڈر انچیف نے عرض کی۔

مولاؑ!

مولاؑ نے نظر اٹھائی — " بھائی عباس کیا بات ہے ؛

آقا! فوج سیدانیوں کے خیموں کی طرف بڑھی چلی آ رہی ہے۔ میرے سپاہی تیار کھڑے ہیں ہمارے لئے کیا حکم ہے ؟ عباسؑ ابھی انتظار میں ہیں کہ مولاؑ فرمائیں گے۔ " روک دو "

مگر مولاؑ نے حکم دیا — عباسؑ بھائی ! میں حکم دیتا ہوں۔ تم خود اس فوج کے سامنے جاؤ اور ان سے کہہ دو۔ میرا امامؑ ایک رات کی مہلت چاہتا ہے۔ اب جو حسینؑ نے یہ فرمایا تو عباسؑ نے گھبرا کر پوچھا

" مولاؑ ! میں اب ان سے مہلت مانگوں ؟

" ہاں میں تمہیں حکم دیتا ہوں۔ تم خود جا کے ان سے مہلت مانگو "

عباسؑ نے سر جھکا دیا۔ نیام سے تلوار نکال کے رکھ دی۔ گھوڑے پہ سوار ہوا۔ سر جھکا ہوا — مہلت مانگنے جا رہا ہے۔ ابھی چند قدم چلے ہی ہوں گے کہ امامؑ نے فرمایا ! حبیبؓ ! زہیرؓ کو ساتھ لے کر احتیاطاً تم بھی چلے جاؤ۔ ہو سکتا ہے کسی بات پر میرے بھائی کو غصہ آ جائے۔ چنانچہ دونوں بزرگ صحابی بھی ساتھ ہو لئے۔ دائیں طرف حبیبؓ۔ بائیں طرف زہیرؓ بن قین اور درمیان میں اپنے وقت کا حیدرِ کرارؑ — فوج کے سامنے پہنچ کر گھوڑا روک کر فرمایا۔ " چچا حبیبؓ ! مہلت والی بات تم ہی کہہ دو۔ مجھ سے کہا نہیں جاتا۔ "

شہزادے! مولا نے آپ کو حکم دیا ہے؟

عباسؑ آگے بڑھے۔ سر جھکا ہوا۔ بدن پسینہ میں تر۔ دل دھڑک رہا ہے۔ بدن کانپ رہا ہے۔ ہونٹ لرز رہے ہیں۔ بھرائی آواز میں فرمایا۔ "عمر سعد! میرے امامؑ نے ایک رات کی مہلت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔" بس اتنا ہی فقرہ کہا۔ مانگنے کا لفظ نہیں بولا۔ بہرنوع اُس فوج نے مشورہ کیا اور مہلت ہو گئی ـــ واپس لوٹے۔ بیچ میں قمر بنی ہاشمؑ اور داہنے بائیں حبیبؓ و زہیرؓ تھوڑی دور چلے تھے کہ دونوں بڈھے آپس میں باتیں کرنے لگے۔ حبیبؓ نے زہیرؓ سے کہا۔

"زہیرؓ! تمہیں یاد ہے نا، جب اس نوجوان کی ماں سے علیؑ نے عقد کیا تھا۔؟"

زہیرؓ نے جواب دیا "ہاں حبیبؓ"

حبیبؓ نے کہا زہیرؓ! عقد کے بعد علیؑ نے کہا تھا کہ اس خاتون کے بطن سے جو بیٹا پیدا ہوگا وہ میری بہادری کا وارث ہوگا۔"

زہیرؓ نے کہا "ہاں ـــ مجھے یاد ہے۔"

دونوں بڈھوں نے جو یہ بات کہی تو وقت کے حیدرِ کرارؑ نے ایک انگڑائی جو لی تو گھوڑے کی رکابیں ٹوٹنے لگیں اور گھوڑا رک کے فرماتے ہیں۔

"حبیبؓ! زہیرؓ! یہ قصہ سنا کے مجھے بہادری کا جوش نہ دلاؤ۔ میں ٹھہرا ہوں۔ تم دونوں مولاؑ کے پاس جاؤ اور مجھے لڑنے کی اجازت دلا دو۔ اگر صبح سے پہلے کوفے کے دارالامارے پر حسینؑ کا جھنڈا نہ لہرا دوں تو علیؑ کا بیٹا نہ کہنا۔"

عباسؑ نے یہ فقرہ جو بڑے جوش میں کہا تو امامؑ نے سُن لیا۔ وہیں سے آواز دی، "کس نے میرے شیر کو غصہ دلا دیا۔ عباسؑ بھائی آؤ۔ میں انتظار کر رہا ہوں۔" امامؑ نے بھائی کے گلے میں اپنی باہیں ڈال دیں۔ سینے سے لگایا۔ پیشانی چومی۔

"میرے پیارے بھائی ـ میرے بہادر شیر! کیا بات ہوئی؟ مولاؑ! کوئی بات نہیں تیرا تابع فرمان ہوں۔ جو تُو حکم دے گا تعمیل ہوگی۔"

سامعین! میں اپنے بیان کو ان لفظوں پر آکر ختم کرتا ہوں کہتے ہیں کہ اللہ سے ڈرو!

میں تشریف لائے تو زینبؑ نے پوچھ لیا۔

شے ہے جو اُس سے ڈرو۔ وہ

"عباسؑ بھائی! کیا فیصلہ ہوا؟"

وہ کوئی ستاتا ہے جو

عباسؑ تو چپ رہے۔ حسینؑ نے کہا "کل تک کی مہلت ہے۔"

بس سے ڈرو۔

زینبؑ نے رات کو گھر کی تمام عورتوں کی کانفرنس بلائی۔ جب تمام عورتیں آ گئے اللہ سے

اُن سے کہتی ہے۔

ڈرے

"بی بیو! مجھے جانتی ہو۔ میں علیؑ کی بیٹی ہوں۔ میں تم سے وعدہ کرتی ہوں کہ تمہاری چادر

میں ضامن ہوں۔"

عورتوں نے کہا۔ "بی بی! تیرے وعدے کے بعد ہم بے فکر ہیں"۔ بات ختم ہوئی۔ رات ڈھل گئی

صبح عاشور ہوئی۔ دوپہر ڈھلا۔ حسینؑ جب علم لے کر خالی آئے تو وہی زینبؑ عورتوں سے کہہ رہی تھی۔

"بی بیو! میں نے رات جو تم سے وعدہ کیا تھا۔ اب میں اپنے الفاظ واپس لیتی ہوں۔ جس بھروسے

پہ کہا تھا وہ ختم ہو گیا۔ میرا بھائی عباسؑ مارا گیا"۔

سامعین! فلسفۂ اخلاق کی اصطلاح میں عقل کی اس نقل و حرکت کو شجاعت کہتے ہیں۔ تین

دن کی بھوک پیاس کے باوجود دریا میں جا کے پیاسے نکل آنا وہ عمل ہے جسے آج تک

چشم فلک نے کبھی نہیں دیکھا۔ مگر اللہ کے چنے ہوئے بندوں نے کربلا میں عملاً کر دکھایا جس پر

قدرت نے بڑھ کر ان بندوں کا چوم لیا اور فرمایا۔

"اے نفسِ مطمئنہ!

دنیا نے تمہاری شجاعت دیکھ لی ہے۔ تم نے وہی کر دکھایا جو اللہ چاہتا تھا۔"

اللہ سے ڈرو

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

خداوند جل جلالہٗ و عزّ اسمہٗ کی حمد و ثنا کے بعد حضرات محمدؐ و آلِ محمدؐ پر درود و سلام!

حضرات گرامی قدر! اللہ کا یہ فرمان ہے۔ "قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ"
اے رسولؐ! میرے ان بندوں سے کہہ دو، ان تک یہ پیغام میرا پہنچا دو۔ کہ اگر تمہیں خدا سے پیار ہے، اگر تمہیں خدا سے محبت ہے ——— ماشاءاللہ! مجمع تو کافی ہے اتنے بڑے مجمع سے میں پوچھ رہا ہوں۔ "آپ کو خدا سے محبت ہے۔ کیوں بھئی! خدا سے محبت ہے" ؟ ———

بات یہ ہے حضور! مجھے پتہ ہے کہ آپ اس محبت کے جواب میں ہچکچا کیوں گئے۔ آپ نے "ہاں" کیوں نہیں کہا ایک دم۔ اس لئے شاید آپ نے ہاں نہیں کہا کہ ساری عمر گذر گئی آپ کی۔ اور میری بھی۔ علمائے کرام کی زبانی یہ سنتے ہوئے کہ "اے ایماندارو۔ اللہ سے ڈرو" اور اتنا ڈرایا ہے اللہ سے ہمیں ان اللہ والوں نے کہ "محبت" میں ہاں کہتے ہوئے بھی ڈرتے ہیں ——— جو آدمی اٹھتا ہے یہی کہتا ہے "اللہ سے ڈرو" اور کوئی ان ڈرانے والوں سے یہ نہیں کہتا۔ کہ "تم بھی اللہ سے ڈرو" کیوں اللہ کے بندوں کو اللہ سے ڈراتے ہو ——— مگر ہر ایک یہی کہہ رہا ہے۔ "اللہ سے ڈرو" اور اتنا ڈرایا ہے اللہ سے ہمیں ان اللہ والوں نے کہ بوڑھوں کا تو میں کچھ کہتا نہیں۔ آج کی جوان پود اتنی ڈر گئی ہے کہ جہاں کہیں اللہ کا نام ہو وہاں نہیں جاتے۔ جہاں اللہ کا ذکر ہو۔ وہاں نہیں جاتے ——— اگر جا رہے ہوں اور سامنے مسجد آجائے تو فوراً راستہ

کاٹ کے گذریں گے۔ ڈر کے مارے کہ مولوی صاحب جو کہتے ہیں کہ اللہ سے ڈرو!!
مجھے سمجھ نہیں آتی کہ اللہ کوئی ظالم شے ہے جو اُس سے ڈرو۔ وہ
کوئی ڈراؤنی شے ہے جو اُس سے ڈرو۔ وہ کوئی ستاتا ہے جو
اُس سے ڈرو۔ وہ کوئی تکلیف پہنچاتا ہے جو اُس سے ڈرو۔
مگر کہتا ہر ایک یہی ہے کہ اللہ سے ڈرو۔ اور ڈرا ڈرا کے اللہ سے
آج ہمارے دل اتنے کمزور کر دیئے ہیں۔ کہ ہم سچ مچ اللہ سے
ڈرنے لگے۔

آج میں آپ سے ایک بات کہتا ہوں۔ اللہ جانے میری یہ بات کسی کو پسند آئے گی یا نہیں۔ میں اپنی ذمہ داری سے کہہ رہا ہوں۔ کہ "اللہ سے مت ڈرو" اللہ کوئی ڈرنے کی شے ہے۔ اللہ تو محبوب ہے۔ اللہ تو بڑی پیاری شے ہے۔ اللہ تو بہت ہی محبت کرنے کے قابل شے ہے۔ اللہ سے تو پیار کرنے کو دل چاہتا ہے۔ وہ ہم سے ہم پر زیادہ مہربان ہے۔ اُسے ہم سے اتنا پیار ہے۔ کہ ہماری ضرورت کی چیزیں جو ہم سے پہلے مہیا کر دے۔ ہم دُنیا میں آئے نہیں تھے۔ ہمیں سانس کی ضرورت تھی، ہوا پہلے پیدا کر دی۔ ہمیں بسنے کی ضرورت تھی۔ زمین پہلے پیدا کر دی۔ جس نے ماں باپ جیسے مہربان ہمیں دیئے۔ جس نے پرورش کے سارے سامان مہیا کئے۔ جو دُنیا میں ہماری حفاظت کرتا ہے۔ جو چوبیس گھنٹے ہمارے ساتھ لحاظ رکھتا ہے۔ ہم سوتے ہیں۔ وہ کبھی سوتا نہیں۔ ہم بھول جاتے ہیں۔ وہ کبھی بھولتا نہیں۔ ہم اُسے پکارتے ہیں۔ وہ فوراً ہمیں جواب دیتا ہے۔ وہ ہم سے بات کرتا ہے۔ وہ ہماری دعائیں سنتا ہے۔ ہماری التجائیں سنتا ہے۔ ایسا پیارا اور محبوب اللہ۔ ایسے پیارے اللہ سے ڈرو کیوں۔ اُس سے پیار کرو۔ اُس سے محبت کرو۔ اُس سے الفت کرو۔ اور یہ جو تمہیں کہا جاتا ہے۔ "اللہ سے ڈرو" اس کے معنی یہ ہیں چونکہ وہ محبوب ہے چونکہ اُس سے محبت ہے۔ ڈرو اس بات سے کہ وہ محبوب کہیں روٹھ نہ جائے۔ اور اگر تمہیں یہ اندیشہ

ہوجائے گا۔ کہ وہ روٹھ گیا ہے تو اس روٹھے ہوئے کو منانے کا طریقہ یہ ہے: "وَکُونُوا مَعَ الصّٰدِقِینَ" سچوں کا ساتھ دو، وہ راضی ہوجائے گا۔"

بہرنوع اللہ کو ہم سے محبت ہے۔ اور اللہ فرماتا ہے۔" رسولؐ! ان سے کہہ دو۔ اگر تمہیں مجھ سے محبت ہے۔ تم مجھے چاہتے ہو۔ تمہیں مجھ سے پیار ہے۔ تو تم ایسا کرو۔ کہ محبت ہے تمہیں۔ اللہ سے اور پیروی کرو تم رسولؐ کی۔ اتباع کرو تم رسولؐ کا۔ حکم مانو تم رسولؐ کا "یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ" نتیجہ اس کا یہ ہوگا۔ کہ "اللہ کو بھی تم سے پیار ہوگا۔ اللہ کو بھی تم سے محبت ہوجائے گی جس طرح تمہیں اللہ سے محبت ہے اُس طرح اللہ کو بھی تم سے محبت ہوجائے گی۔

میرے سامعین! اب آپ ہی بتائیں کہ ہم اللہ سے محبت کریں۔ یہ مرتبہ زیادہ ہے۔ یا اللہ ہم سے محبت کرے یہ مرتبہ زیادہ ہے ——— ؟ بہرنوع اللہ فرماتا ہے کہ تم رسولؐ کی پیروی کرو۔ اللہ تم سے محبت کرے گا۔ خداوند عالم تم سے پیار کرے گا۔

ہمارا سب کا دل چاہتا ہے کہ ہم اللہ کے قریب ہوجائیں۔ چونکہ اللہ سے محبت ہے۔ صبح سو کے اٹھتے ہیں۔ نیند آنکھوں میں بھری ہوتی ہے۔ اور اُسی نیند کے عالم میں باوضو ہو کر اللہ کے سامنے کھڑے ہوجاتے ہیں اور کہتے ہیں۔ "قربةً الی اللّٰہ" اس لئے سامنے کھڑا ہوں کہ اللہ سے قربت حاصل ہوجائے۔" اس سے ہمیں محبت ہے۔ اس کے ہم قریب ہو جائیں۔ اور لطف یہ آتا ہے۔

نمازی بھائیو!

ہم رات کو سوئے۔ صبح کو اُٹھے۔ آنکھوں میں نیند بھری ہوئی ہے۔ اُٹھ کے وضو کیا۔ اب جی چاہتا ہے کہ اللہ سے بات کریں۔ چونکہ اُس سے ہمیں محبت ہے۔ اور ہمیں بتایا گیا ہے: کہ ہر طرف اللہ ہے۔ کائنات میں جدھر رخ اٹھا کے دیکھو اللہ ہے۔ ہر طرف اللہ ہے۔ شمال میں بھی اللہ ہے، جنوب میں بھی اللہ ہے، مشرق میں بھی اللہ ہے۔ مغرب میں بھی اللہ ہے، چاروں

طرف اللہ ہے، پھر جدھر چاہو نماز پڑھ لو۔ لیکن اللہ کہتا ہے "نہیں" اگر تمہیں ہم سے پیار ہے تو رسولؐ کی پیروی کرو۔ جب تک رسولؐ کی پیروی نہیں کرو گے میں تم سے بات تک نہیں کرونگا جب چاروں سے ایک کو قبلہ نہیں بناؤ گے میں نماز نہیں قبول کروں گا۔ میرے رسولؐ کو دیکھو وہ کس طرح نماز پڑھتا ہے۔ وہ کس طرف رُخ کر کے نماز پڑھتا ہے۔ اگر تم بھی اُسی طرح نماز پڑھو گے تو اللہ کا قرب حاصل ہو جائے گا۔ تم اللہ کے قریب ہو جاؤ گے۔

اب ہم نے نماز پڑھنا شروع کر دی۔ اللہ کے قریب ہو گئے۔ اس ادا سے اللہ نے ہم سے گفتگو کی ہے۔ اس پیار سے اللہ نے ہم سے بات کی ہے کہ ہمیں بھی لطف آ گیا۔ اور اللہ کو تو میں کچھ کہہ نہیں سکتا۔

ہم نے جا کے اللہ سے کہا کیا! ہم کھڑے ہو گئے جا کے اللہ کے سامنے کیوں کہ ہم اللہ کے سامنے کھڑے ہیں۔ شہنشاہوں کے شہنشاہ کے سامنے کھڑے ہیں۔ ایسے عالم میں جب اتنی بڑی ہستی سے بات کرنا ہو۔ تو بات کرتے ہوئے اِدھر اُدھر دیکھنا بڑی گستاخی ہے بڑی بے ادبی ہے۔ ادب سے۔ آرام سے کھڑے رہو۔ نظر اِدھر اُدھر نہ ہونے پائے۔ پھر دونوں ہاتھ اٹھاؤ۔ کانوں تک لے جاؤ اور کہو ——— "اللہ اکبر" یا اللہ تجھ سے بڑا کوئی نہیں مگر یہ بات کہنا ہاتھ اٹھا کے۔ یعنی اللہ سے جو اقرار کرنا کہ "اب ہم تیرے سامنے کھڑے ہیں، ہم نے دنیا کی ہر شے سے ہاتھ اٹھا لیا ہے۔ اب دنیا کی کسی چیز سے ہمارا واسطہ نہیں رہا۔"

اللہ نے کہا "بولو ——— کیا کہنا چاہتے ہو" تو ہم نے کہا۔

بسم اللہ " الرحمٰن " الحمد " حمد ہے تو رب العالمین

ہے۔ تو یوم الدین کا مالک ہے۔ تو ہمیں صراطِ مستقیم پہ قائم رکھ۔"

اللہ نے کہا "سُبحان اللہ! کیسی اچھی بات کہی ہے تم نے۔ یہ باتیں، تونے کہاں سے سیکھ لیں؟"

ہم نے کہا۔ حضور! ہم نے ایک کتاب میں پڑھی تھیں۔" اللہ نے کہا "اس کتاب کی کوئی اور بات بھی تمہیں یاد ہے۔" ہم نے بسم اللہ پڑھ کے ایک سُورۃ اور پڑھ دی۔" اور جب سُورۃ پڑھ دی۔ تو اللہ کی عظمت دل میں پیدا ہوئی۔ فوراً سر جھکا کے کہا "سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم تو کتنا عظیم ہے جو مجھ جیسے حقیر کی سُنتا ہے۔" اب جو سر جُھکا کے سر اٹھایا۔ تو اللہ نے فوراً اپنی گفتگو کی رسید دے دی سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ سُن لیا اللہ نے بندے جو تونے حمد کی ——— پھر ہم نے اس شکریے میں کہ اس نے ہم جیسے حقیروں کی بات سُن لی، سجدے میں سر رکھ دیا۔

سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی تو کتنا اعلیٰ ہے۔ کہ مجھ جیسے ادنیٰ کی بھی سُن لی سجدہ کیا۔

اب اللہ نے پیار سے کہا "بندے! تو میرے سامنے کھڑا بھی رہا۔ سر بھی جُھکایا۔ تونے سجدہ بھی کیا۔ تھک گیا ہوگا۔ بیٹھ جا ———"

چنانچہ ہم سجدہ کرکے بیٹھ گئے۔ اور ہم نے سوچا کہ "اس نے بیٹھنے کا موقعہ دیا ہے ——— اتنا مہربان ہے۔ اس وقت کو ضائع نہ کرو۔ اب بھی کچھ مانگ لو۔"

اب ہم نے بیٹھ کے مانگا کیا؟ نہ اولاد مانگی۔ نہ رزق مانگا۔ نہ دولت مانگی۔ نہ مال مانگا۔ کہا کیا مانگا "اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ

خداوندا! بٹھا لیا ہے تو گناہ بھی معاف کر دے۔"

بیٹھنا اچھا نہیں معلوم نہیں ہوتا" اور اس استغفار کے [illegible] میں ایک سجدہ اور کر لیا۔ "خداوندا! ایک سجدہ اور کرتا ہوں"

پھر اٹھ کے کھڑے ہو گئے

یہی ہے گفتگو جو نمازی اللہ سے کرتا ہے۔ پھر اللہ سے پیار و محبت کی باتیں ہونے لگیں۔ پھر سر جھکا کے اُسے عظیم کہا۔ پھر اس نے رسید دی۔ سمع اللہ کہہ کے۔ پھر ہم نے سجدے میں سر رکھ کے سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی کہا۔ جب دو سجدے کر لئے خدا کے سامنے تو اللہ نے کہا "بندے تو نے مجھ سے باتیں کی ہیں۔ تو نے مجھ سے گفتگو کی ہے۔ تیرا میرے ساتھ پیار ہوا ہے۔ مگر یہ بتا۔ کسی فرضی، خیالی، وہمی اللہ کی تو تُو نے عبادت نہیں کی۔"

اب ہم نے دوسری رکعت کے دو سجدے ادا کر کے بیٹھ کے اللہ سے گفتگو کی۔"

"میرے اللہ! میں نے کسی فضول اللہ بات نہیں کی۔"

"پھر کس سے کی؟" اللہ نے پوچھا

میں نے فوراً کہہ دیا "اَشْہَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ"

"میں نے اس اللہ سے بات کی ہے جو لا الٰہ الا اللہ ہے۔ جو وحدہٗ لاشریک ہے"

اللہ نے کہا۔ شاباش! تجھے کیسے پتہ چلا۔ کہ میں لا الٰہ الا اللہ ہوں۔ "تجھے کیسے پتہ چلا کہ میں واحد و لاشریک ہوں" میں نے عرض کی۔ کہ مجھے تو خاک بھی پتہ نہیں تھا مجھے تو یہ بات ایک بندے نے بتائی ہے۔"

اللہ نے پوچھا "کون بندہ!"

میں نے فوراً کہہ دیا "اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ"

"مجھے تو یہ بات محمدؐ نے بتائی ہے۔ جو تیرا عبد بھی تھا اور رسولؐ بھی تھا۔"

اللہ نے پوچھا "محمدؐ کو دیکھا ہے؟"

میں نے کہا نہیں"

"پھر تجھے کیا خبر کہ محمدؐ نے بتائی ہے؟"

میں نے عرض کی، میرے پالنے والے۔ محمدؐ کی بتائی ہوئی یہ بات مجھ تک

کچھ لوگوں نے پہنچائی ہے۔"

ا تو اللہ نے کہا "ان کا نام بھی تو لے جنہوں نے یہ بات تجھ تک پہنچائی ہے۔"

میں نے فوراً کہا "اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ" محوی

اب جو کہا تو اللہ سے بات ہو گئی۔ قرب ہو گیا، پیار ہو گیا،

میرے محترم سامعین! کس کا جی نہیں چاہتا اللہ سے پیار کرنے کو۔ کس کا جی نہیں چاہتا بڑی ہستی سے پیار کرنے کو اگر گورنمنٹ ہاؤس جا کے گورنر سے بات کر آئے تو چار دن گھر والوں سے بات نہیں کرتے۔ اور اگر صدر سے کہیں مل آئے۔ تو بستی والے سے بات نہیں کرتے۔

مگر یہ اللہ کا پیار ہے کہ وہ روزانہ پانچ مرتبہ بلاتا ہے "آؤ۔ آ کے مجھ سے بات کرو۔" "آؤ مجھ سے گفتگو کرو۔" کوئی چپڑاسی تمہیں نہیں روکے گا"، "کوئی دربان تمہیں نہیں روکے گا" کوئی نقیب تمہیں نہیں روکے گا۔ کوئی دربان تم سے رشوت نہیں لے گا۔" اور سنتے بھی ہو، اگر میرے گھر آنے کی تمہیں فرصت نہیں تم مجھے اپنے گھر پکارو۔ میں آؤں گا۔ تم میرے سامنے بات کرو۔ میرے ساتھ گفتگو کرو۔ اور پھر دیکھو ایسے محو ہو جانا مجھ سے بات کرنے میں کہ دنیا کا ہوش نہ رہے۔ کوئی شے یاد نہ رہے بس میں ہوں اور تم ہو"

ا ہے جو تمہارے
کس ہو اور

اس ادا سے بات کر نا کر رہے ہیں؟
ساتھ بات کرتے وقت اگر تمہار
جائے۔ تو تمہیں پتہ نہ چلے۔ (۳۱) سے
کر رہے ہو۔

نماز ویدا۔ "یہ تیر" والی بات تو ہم نے سن لی۔ مگر جب اسے پتہ نہیں چلا تھا۔ اس کی یہ بات بھی تو ہم نے سنی ہے ... نماز پڑھ رہا تھا۔ اور نماز کے عالم میں سائل نے آواز دی۔ اور سائل کی آواز سن۔ اور ہاتھ سے انگوٹھی دے دی۔ یا تو اتنی بے خبری، نماز میں، اتنی محویت کہ تیر کھینچ گیا اور پتہ نہ چلا۔ یا سائل کی آواز بھی سن لی۔"

اللہ نے کہا "دیکھو! تم کسی بات کو غور سے نہیں سنتے۔ اس نے اعتراض کرتے ہو۔ کون کہتا ہے کہ اس نے سائل کی بات سُنی تھی۔ تمہیں کس نے بہکا دیا۔ کہ اس نے سائل کی گفتگو سُنی تھی۔ تم نے اچھی طرح سے سارا قصہ پڑھا نہیں۔ تم نے سارے قصے پر غور نہیں کیا ـــــ بات یہ ہے۔ نماز ہو رہی تھی۔ سائل مسجد کے دروازے پہ آن کھڑا ہوا۔ اس نے نمازیوں سے خیرات مانگی۔ وہ مانگتا رہا۔ کسی نے نہ دی۔ اس لئے کہ جو نکو دینے والا تھا۔ وہ سن ہی نہیں رہا تھا سائل کی گفتگو۔ وہ نماز میں مشغول تھا۔ وہ اللہ کے سامنے کھڑا تھا۔" ـــــ جب سائل کو کچھ نہ ملا۔ تو اس نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھا کے کہا "یا اللہ! میں تیرے رسولؐ کی مسجد سے محروم جا رہا ہوں" جب تک سائل مسجد والوں سے مانگتا رہا۔ اس نے کچھ نہ سنا۔ اور جب اللہ سے دعا کی۔ اور جو اللہ کے ساتھ پہنچا ہوا تھا اس نے سن لی۔ اور اگر آپ میری زبان میں سننا چاہیں تو یوں سمجھو۔ جب سائل نے اللہ سے دعا کی، تو اللہ نے کہا "بھئی یہ نمازی مشغول ہیں، اندر کیوں تنگ کرتا ہے۔ اگر یہ نہیں سنتے

ہے تو اللہ کے ہاتھ سے ہے"۔ اللہ نے اپنے ہاتھ سے زکوٰۃ دے
دی۔ پھر توعے یہ اللہ سے پیار کی باتیں ہیں۔ اللہ سے محبت کی باتیں
ہیں۔ جو اللہ سے پیار کرے اللہ اسے محبوب بنا لیتا ہے۔ اللہ
اُسے پیار کرتا ہے مگر

میرے محترم سامعین! محبت جو ہے، پیار جو ہے یہ بڑی مشکل منزل ہے۔ بڑی
کٹھن منزل ہے چاہے وہ کسی سے ہو۔ اور شاعر نے تو کہا ہے۔ کہ

پہلی ہے عشق (بشر عشق) خدا مشکل ہے"

محبوب یہ چاہتا نہیں کہ جب مجھ سے محبت ہو۔ تو کوئی اور بھی دل میں آئے"
یہی اللہ چاہتا ہے۔ کہ جب مجھ سے محبت ہے۔ تو پھر تیرے دل میں میں رہوں گا۔ اور
کوئی نہ آئے" اور یہی ہے نا حدیث قدسی کا مفہوم!

میں نہ زمینوں میں رہتا ہوں، نہ آسمانوں میں رہتا ہوں۔ میں تو اپنے چاہنے
والوں کے دل میں رہتا ہوں"

مجھے ناصاحبان! اللہ آپ لوگوں کے دل میں رہتا ہے مگر اس دل میں رہنے
والی بات کو نہ دیکھو، بھی دل میں سوچو۔ اللہ کا گھر ہے تمہارے
دل میں اللہ نے اپنا گھر بنایا ہے تمہارے دل میں۔ خوب سمجھ لو
اچھی طرح سے سوچ لو کہ اللہ نے اپنا گھر بنایا ہے تمہارے دل
میں۔ اور تمہارا گھر بھی اللہ نے ایک بنایا ہے جس کا نام ہے۔
"جنت" جنت تمہارا گھر ہے اور تمہارا دل اللہ کا
گھر ہے۔ جنت میں تم بسو گے۔ اور تمہارے دل میں اللہ
بستا ہے۔

[مبارک الٰہی]

اب کسی مولوی سے مت پوچھو "ہمیں جنت ملے گی یا نہیں" کسی پیر سے مت پوچھو

ہمیں جنت ملے گی یا نہیں" ؟ یہ تو معاملے کی بات ہے کہ اللہ کا گھر تمہارا دل ہے جو تمہارے پاس ہے۔ اور تمہارا گھر جنت ہے جو اللہ کے پاس ہے تم اگر اللہ کے گھر میں کسی اور کو بساؤ گے۔ اللہ تمہارے گھر میں کسی اور کو بسا دے گا۔ اور اگر تم اللہ کے گھر میں اللہ ہی کو رکھو گے تو اللہ بھی تمہارے گھر میں تمہیں رکھے گا۔ اگر تم اللہ کے گھر کو کنجوسی سے بد اخلاقی سے اللہ کے گھر کو تنگ رکھو گے۔ تو اللہ جنت میں تنگ سا مکان دے گا۔ اگر خوش اخلاقی سے فیاضی سے اللہ کے گھر کو کشادہ رکھو گے۔ تو وہاں تمہیں کشادہ مکان ملے گا۔ اگر گناہ کر کر کے اللہ کے گھر میں اندھیرا رکھو گے۔ تو تمہیں اللہ اندھیرا مکان دے گا۔ اگر نیکیاں کر کے اس میں چراغ روشن کرو گے۔ تو اللہ تمہیں روشن مکان دے گا۔ جیسا کہ اللہ کے گھر کو رکھو گے۔ ویسا ہی اللہ تمہیں گھر دے گا۔

بہر طور اللہ کا گھر تمہارے پاس ہے۔ اسے تم آراستہ کرو۔ اور اسے آراستہ کرنے کے لئے اللہ نے بطور "ماڈل" بطور "نمونہ" اپنا ایک گھر بنایا ہے مکہ میں "جو بیت اللہ" ہے۔ اس کو دیکھ دیکھ کر اسے سجاؤ گے

فقرہ میں کہتا ہوں صاحبان! سمجھ تم لینا۔ یہاں سمجھ نہ آئے۔ تو گھر جا کر سمجھ لینا) جس طرح اللہ نے اس گھر کو سجایا ہے۔ اسی طرح تم اس گھر کو سجا لو جس طرح اس گھر کو آراستہ کیا ہے اسی طرح تم اس گھر کو آراستہ کر لو۔ دنیا کے ہاتھوں سے بنوائے ہوئے اس گھر سے نکلوا دیئے تھے اسی طرح دنیا کے بنائے ہوئے اس گھر سے نکال دو۔ جیسے اس نے گھر میں بلا لیا تھا۔ اسی طرح اسے اس گھر میں بلا لو — بس گھر سج گیا۔ یہی طریقہ ہے اس گھر کے سجانے کا۔ ایسا سجا ہوا گھر ملے گا جنت میں کہ لطف آجائے گا۔ اللہ نے دل گھر اسی لئے بنوایا تھا۔ اور بنوایا بھی اپنے خلیل بندے سے تھا جس سے اللہ کو پیار تھا جس سے اللہ کو محبت تھی؟

جسے اللہ پسند کرتا تھا۔ اور خلیل کو حکم ہوا تھا۔ کہ میرا گھر تو بنا دو اور دیکھنا اگر مزدور چاہیئے۔ تو بیٹے اسمٰعیل کو۔۔۔ کھنا اور مددگار چاہیئے۔ تو جبرئیل کو بھیج دوں گا۔ اور نقشہ چاہیئے ۔۔۔ خود بنا کے بھیج دونگا۔"

ابراہیم کو خدا کا گھر بنانے کا حکم ہو گیا۔ اب خدا ہاؤس بنے گا (ہم نے کراچی میں گورنمنٹ ہاؤس دیکھا تھا جس میں تقریباً پانچ سو کنبے بس جائیں۔ جب ہماری گورنمنٹ کا اتنا بڑا گورنمنٹ ہاؤس ہے تو خدا کا خدا ہاؤس کتنا بڑا ہوگا) آخر ہم نے عرض کی

"یا اللہ! کتنا بڑا گھر بنوایا ہے"

اللہ نے فرمایا "بڑے گھر کی مجھے کیا ضرورت تھی۔ میں نے ابراہیم سے کہہ دیا تھا میرا گورنمنٹ ہاؤس بس اتنا بڑا ہو۔ جس میں بوقت ضرورت ایک عورت لیٹ سکے بس اتنا گھر بن جائے اور ابراہیم نے وہ گھر بنانا شروع کر دیا۔ ایک روڑا لگاتے اور رونے والی دعا مانگتے "خداوندا میں تیرا گھر بنا رہا ہوں۔

اللہ نے کہا۔ "ہاں بھئی! بنا رہے ہو"

"میرے اللہ! میری اولاد کو یہ دینا۔ میری ذریت کو یہ دینا۔ میرے بچوں کو یہ دینا"

اور جب گھر بن کے تیار ہو تو ابراہیم نے عرض کی۔

"خداوندا معائنہ کرے گھر تیار ہے" اور اعلیٰ حضرت نے معائنہ کیا "ٹھیک ہے" بہت اچھا بنایا مگر ایک کام کر ——— طواف کرنے والوں کے لئے اس میں اعتکاف کرنے والوں کے لئے میرے گھر کو پاک بھی کر" اب خدا کے گھر کو پاک کرنے کا حکم تھا۔ بیگار میں دنیا بھر کے "سقے" پکڑے گئے ہوں گے۔ مگر وہاں ہم نے دیکھا کہ ابراہیم خدا کے گھر کو کس طرح پاک کر رہے ہیں۔ جتنے پتھر کعبے کی دیواروں میں لگائے گئے تھے۔ ایک ایک پر ہاتھ رکھا اور کہا کہ "سبحان اللہ" دوسرے پر ہاتھ رکھا "سبحان اللہ" تیسرے پر ہاتھ رکھا "سبحان اللہ" جب ساروں پتھروں پر سبحان اللہ کہہ دیا۔ تو اللہ نے کہا۔

تب میرا گھر پاک ہوگیا۔" گویا ابراہیمؑ نے کعبے کی دیواروں کے ایک ایک پتھر پہ "سبحان اللہ" کہہ کے تمام پتھروں کو تسبیح کا دانہ بنادیا۔ اور جب دیوار دانہ تسبیح بن گئی تو امامؑ کو خود ہی راستہ مل جائے گا۔ امامؑ کے بغیر تسبیح مکمل ہوسکتی ہی نہیں۔

ہر نوع مومن کا دل گھر ہے اللہ کا اور مومن کا گھر جنّت ہے" اللہ کے پاس۔ تم اللہ کے گھر کو پاک صاف رکھو گے تو اللہ تمہارے گھر کو پاک رکھے گا۔ اگر ایک لمحہ کے لئے بھی ان کی توجہ خصوصی ہم سے ہٹ جائے تو ہماری بقاء فنا میں بدل جائے گی۔ ہمیں اپنی زندگی میں اور اس زندگی کے بعد کی زندگی میں ان کی بہت ضرورت ہے۔ ہماری زندگی۔ ہماری خوشی، ہمارا غم۔ ان کے لئے ہے۔ ہم جئیں گے تو آل محمدؐ کی مودّت میں ــــ اور مریں گے تو آل محمدؐ کی مودّت میں۔ آل محمدؐ کی مودّت کے بغیر ہمارا گذارا ہوسکتا ہی نہیں۔

میرے محترم سامعین! میرا بیان یہاں ختم ہوتا ہے۔ کہ عشرہ محرم الحرام کی یہ مجالس بارگاہ ہیں۔ آل محمدؐ کی مودّت میں۔ جو انہوں نے اللہ کے حاکم الملک ہونے کی گواہی دی ــــ اور اللہ کے حاکم الملک ہونے کی گواہی دینے کے لئے حسینؑ اپنے عزیزوں وجاں نثاروں کے ساتھ کربلا میں تشریف لائے ــــ ساتویں تک مقدمہ کی سماعت ہوتی رہی۔ دسویں محرم کو گواہیاں پیش کرنی شروع کیں ــــ اور جب تمام گواہیاں ختم ہوگئیں ــــ تو خود بنفس نفیس آگے بڑھے۔ اور شہادت عظمیٰ کا انعام لینے کے لئے سر مبارک جھکا دیا ــــ اللہ نے کہا۔ کیا چاہتے ہو؟ ــــ نبوّت تو پہلے ختم کرچکا ــــ امامت پہلے دے چکا ــــ رحمت تمہاری والدہ کا حصّہ تھی وہ مل چکی ــــ رضا تمہارے باپ کو حاصل ہوئی ــــ اب ایک شے میرے پاس باقی ہے ــــ اور وہ شہادت کبریٰ ہے ــــ اور وہ تم سے لو ــــ چنانچہ انعام دیا گیا ــــ اور فرمایا گیا

"حسینؑ! آج سے جتنے میرے گھر ہیں۔ اتنے ہی تیرے گھر ہوں گے۔ جہاں جہاں میرا تذکرہ ہوگا ــــ وہاں وہاں تیرا تذکرہ ہوگا ــــ"

چنانچہ یزید کے خلاف ڈگری ہوئی۔ وہ ذلیل وخوار ہوا۔ اور حضور امام حسینؑ کا نام عالم میں روشن ہوا۔

اللہ ہمیں مودت محمدؐ و آل محمدؐ عطا فرمائے ——— اور میں آپ سے اتنا عرض کرتا ہوں کہ عشرۂ محرم الحرام کا آغاز ہو چکا ہے اور دس دن حضور سید الشہداء کی سواری آپ لوگوں کا مہمان ٹھہرتی ہے۔ آپ ان کی مہمان نوازی کرتے ہیں پورے ادب و احترام سے مجالس سماعت فرمائیں۔ یہ درس ہے ان بے کفن شہیدوں کا جو حسینؑ کے ساتھ کربلا میں اللہ کے مالک الملک ہونے کی گواہی دینے آئے ہیں۔

بحق محمدؐ و آل محمدؐ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ

جب چیز ہو ایک ——— دعویدار ہوں دو

ایک ہو ——— جھوٹا ——— ایک ہو ——— سچا

اگر

اس شے کے بگڑنے کا اندیشہ ہو جائے

تو

سچا

گھ علیہ ۱۰۱

عرض ـــــ
نا بھر کے دولت والے
نت والے
لے

اللہ گواہ ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

"خداوند عالم کی حمد و ثناء کے بعد حضرات محمد و آل محمدؐ پر درود و سلام"

بزرگان محترم!

اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں حضور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جیسا ہادی عطا فرمایا ہے ـــــ وہی ہمارے ہادی ہیں اور وہی ہمارے رسولؐ ہیں اور ہم ان کے ادنیٰ غلام ہیں ـــــ چونکہ رسولؐ پیدا ہی رسولؐ ہوتا ہے۔ نبی پیدا ہی نبی ہوتا ہے۔ یہ نہیں کہ بعد میں کوئی ترقی کر کے پڑھ لکھ کے، محنت و ریاضت کر کے وہ رسولؐ یا نبی بنتا ہے ـــــ نبی کو خدا پیدا ہی نبی کرتا ہے ـــــ تو جب حضورؐ پیدا ہوئے وہ اس وقت بھی نبی تھے ـــــ جب اس دنیا میں نہیں تھے اس وقت بھی نبی تھے۔ جب یہ دنیا نہیں تھی، جب بھی نبی تھے ـــــ جب یہ کائنات پیدا ہی نہیں ہوئی تھی۔ حضورؐ اس وقت بھی نبی تھے ـــــ اور جب وقت کا لفظ ہی دنیا میں نہیں آیا تھا ـــــ جب بھی نبی تھے ـــــ جب کوئی وقت نہیں تھا ـــــ جب بھی نبی تھے ـــــ اب اگر کوئی مجھ سے پوچھے "کب نبی تھے ـــــ" حضورؐ جب سے نبی تھے جب لفظ "کب" نہیں پیدا ہوتا تھا ـــــ بس وہ نبی تھے ـــــ اور اگر ان کی نبوت کی شہادت کسی نبی سے ہم لینا چاہیں ـــــ تو سارے انبیاء کے باپ جناب آدمؑ یہ کہتے ہیں کہ یہ تو مجھے بھی معلوم نہیں کب سے نبی تھے ـــــ ہم انجام

مٹی اور پانی ... تھے ... تھے ... ہاں ... ا ... نے

چالیس سال تک اپنی نبوت کا اعلان نہیں فرمایا — البتہ، اپنے عمل سے، اپنی گفتگو سے اپنے طور و طریق سے ان لوگوں کے ذہن میں یہ بٹھا دیا کہ

"یہ شخص نہ جھوٹ بولتا ہے نہ خیانت کرتا ہے یہ صادق بھی ہے۔ اور امین بھی ہے۔ اس کی ہر بات سچی ہے۔ اس کا ہر عمل درست ہے۔ جو یہ کرتا ہے "ٹھیک" — جو یہ کہتا ہے "ٹھیک" — اور

یہ ماننے کون تھے — عرب کے نہ ماننے والے۔ جن کی صفت تھی کسی بات کو نہ ماننا۔ وہ ماننے تھے — وہ عرب! جنہوں نے قیصر و کسریٰ کی حکومت کو نہ مانا۔ اور وہ فرزند صحرا! جو اتنا آزاد تھا کہ ریت کے ٹیلوں پر بیٹھ کر حکومت کے تخت کا مذاق اڑاتا تھا۔ اور آزادی کے ساتھ عرب کی کھلی فضا میں اپنی آزادی کے پرچم لہراتا — کسی حکومت و سلطنت کو خاطر میں نہ لاتا تھا — کسی فوج اور رسالے کو نظر میں نہ لاتا تھا۔ وہ ان نہ ماننے والوں کے بیچ میں ہے — اور وہی نہ ماننے والے یہ مان گئے کہ "یہ صادق بھی ہے اور امین بھی ہے" — اور چالیس سال میں مسلسل یہ منوانے کے بعد جب رسولؐ نے یہ اعلان فرمایا کہ "میں رسولؐ ہوں" — تو بات ذرا الجھ اور ہو گئی

وہی لوگ جو پاس بیٹھتے تھے۔ انہیں پاس نہ رہا۔ جن سے خون کا رشتہ تھا
وہ لہو کے پیاسے ہو گئے   جو گلے ملتے تھے۔ انہیں گلا پیدا ہو گیا —
جن سے پیار تھا وہ دور ہٹنے لگے — جن کے دل موم کی طرح نرم تھے —
وہ سنگدل ہو کے پتھر مارنے لگے — جو پھول کی طرح کھلتے تھے۔ وہ کانٹے
بچھانے لگے — جن کے ساتھ دوستی تھی۔ وہ دشمنی کے ساتھ پیش آنے لگے
جن کے منہ مسکراتے تھے۔ وہ منہ بنانے لگے۔ جن کی عزت بڑھا دی تھی۔
وہ ذلیل کرنے کے درپے ہو گئے — جن کے گھر بنا دیئے تھے۔ وہ گھر سے
بے گھر کرنے کو تیار ہو گئے — جو اپنے تھے۔ وہ غیر بن گئے۔ جو ادھر تھے

غرض ــــــــــــــــــــــ وہ اُدھر چلے گئے جو یہاں تھے وہ وہاں جا بیٹھے

تمام کائنات اکٹھی ہو گئی۔ ایک اکیلے انسان کے مقابلے میں ـــــ دنیا بھر کے دولت والے

مال والے ـــ زر والے ـــ خزانے والے ـــ حکومت والے ـــ سلطنت والے

قبیلے والے ـــ خاندان والے ـــ زور والے ـــ ہمت والے۔ اِدھر والے

اُدھر والے ــــــــــــــــــــ غرض

ایک طرف ساری خدائی ـــــ اور کملی والا ایک طرف اکیلے کا اکیلا نمائندہ ـــــ

اور اتنا بے بس نمائندہ! نہ سر پہ باپ کا سایہ، نہ اُستاد کا سایہ، نہ قربی کا سایہ، نہ خاندان

کا سایہ، نہ کسی محافظ کا سایہ ـــــ حد یہ کہ نہ اپنا سایہ ـــــ اتنا بے سایہ انسان پوری

ہمت و استقلال سے میدان میں جم کے کہتا ہے "میں رسول ہوں"

مجھے اللہ نے رسولؐ بنایا ہے ـــــ آج نہیں تو کل تمہیں ماننا پڑے گا ـــــ اگر تم

سے اپنا کلمہ نہ پڑھوا دوں ـــــ تو آمنہ کا لعل نہ کہنا ـــ تمہیں ماننا پڑیگا ـــ اور

یہ خدا جو تم نے بنا کے اٹھائے ہیں ـــــ یہ جو تم نے اپنے ہاتھ سے گھڑ لئے ہیں

ـــــ یہ تمہارے ہبل و منات، ـــــ تمہارے ہاتھوں سے نہ تڑوا دوں۔

تو عبداللہ کا بیٹا نہ کہنا۔

میرے سامعین!

محمدؐ نے دعوٰی کر دیا کہ "میں رسولؐ ہوں" ـــــ بس یہ کہنا تھا کہ میں رسولؐ

ہوں ـــ ایک آگ لگ گئی عرب میں ـــ وہ دلیلیں دیتا ہے اپنے رسولؐ ہونے

کی ـــ مگر عرب نہیں مانتے ـــــ آخر اللہ نے یہ آیت نازل کی۔

"کافر کہتے ہیں، کہ تو رسولؐ نہیں" ـــــ انہیں جواب میں یہ کہہ دے

کہ "اللہ میرے رسولؐ ہونے کا گواہ ہے"

کیوں سامعین!

ایمان سے بتانا ــــ میں جو یہاں منبر پر بیٹھا ہوں آپ کے سامنے

اگر میں یہ کہہ دوں کہ "میں نبی ہوں ــــ آپ کیا کہیں گے؟ ــ

یہی کہو گے نا ــــ "ہم نہیں مانتے" ــــ تو میں پوچھوں گا ــ "تم

کیوں نہیں مانتے ــــ"

"دلیل ـ ہم نہیں مانتے ــ" ــــ تو میں کہتا ہوں جناب! میرے نبی

ہونے کی دلیل یہ ہے ــــ کہ میرے نبی ہونے کا اللہ گواہ ہے ــ

اب میں نے اللہ کی گواہی پیش کر دی ــــ اور آپ لوگوں نے اس

جیسی میں طالا دریا اس بات کی ــــ دیکھو ـ یہ اللہ کو گواہ کرتا ہے ۔ اب

اللہ کی گواہی لینے کون جائے ــــ کون پوچھے اللہ سے کہ تو گواہ

ہے یا نہیں ــــ اور نہ ہم اتنے مجبور ہیں ــ کہ کوئی اللہ کے گھر جانے

کو تیار ہے ــــ اور اگر کسی کو زبردستی بھیج دو اور چلا جائے ــ

تو وہ آکے بتا نہیں سکتا کہ اللہ نے کیا کہا ہے ــــ اور یہ اللہ کے

گھر جانے کا جو رستہ ہے نا ۔ پورا وَن وے (ONE WAY) ہے

قدرت کی ٹریفک کا ــــ انسان آتا بھی اکیلا ہے ــــ

اور جاتا بھی اکیلا ہے ــــ اللہ کے پاس جانے کے بعد کوئی بتا

ہی نہیں سکتا کہ اللہ نے کیا کہا ہے ــ تو اللہ کی گواہی کس طرح مانے

کوئی ـ کہ اللہ گواہ ہے ــــ

میرے محترم سامعین!

اللہ کے گواہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ

اگر دنیا میں کسی شخص کی سچائی کو ثابت کرنے کے لیے کوئی ناممکن بات ممکن ہو جائے

ــــ تو سمجھو یہ اللہ کی گواہی ہے ۔ اس کا اللہ گواہ ہے ــ ویسے اللہ زبان سے آکے

کچھ نہیں کہتا ۔۔۔ اگر کوئی ناممکن بات ممکن ہو جائے ۔ تو یہ اللہ کی گواہی ہے ۔۔۔ اور ناممکن بھی وہ جو عادتاً ناممکن ہو ۔۔۔ وہ ممکن ہو جائے ۔ تو یہ اللہ کی گواہی ہے ۔۔۔۔۔۔ اور یہ ہمارے رسولؐ کی کوئی نئی بات نہیں تھی ۔۔۔ اس سے پہلے بھی بے گناہ اور معصوم ہستیاں اپنی عصمت کو ثابت کرنے کے لئے "اللہ کو گواہ" کرتی رہی ہیں ۔۔۔۔ اور اللہ ناممکن کو ممکن بنا کر ان کی گواہی دیتا رہا ہے

مثال کے طور پہ میں آپ سے عرض کروں کہ آج سے ۱۹۷۲ سال پہلے ایسا ہی ایک واقعہ پیش آگیا تھا ۔ کہ جناب مریمؑ کی عصمت خطرے میں تھی ۔

ایک معصوم خاتون ، ایک عبادت خانے میں رہنے والی خاتون ، جو اللہ کی مہمان ہو کے رہتی تھی ۔۔۔ اور جب وہ اپنی گود میں ایک بچہ لے کے عبادت خانے سے باہر آئیں ۔۔۔ تو دنیا کے لئے اجنبی بات تھی ۔۔۔ اب لوگوں نے چاروں طرف سے آ کے گھیر لیا ۔۔۔ اور پوچھنے لگے ۔

"مریمؑ ! یہ بچہ گود میں کہاں سے آیا ۔۔۔۔ ؟

رہبانؓ ۔ میرے محترم بھائیو ! ان کا پوچھنا کوئی بے جا بات تو نہیں تھی ۔ انہیں حق تھا پوچھنے کا ۔۔۔ کہ تم جو رہتی تھی خدا کے گھر میں ۔۔۔ تو یہ بچہ کہاں سے آیا ۔۔۔) ۔۔۔۔ اب مریمؑ بیچاری کیا کہے ۔۔۔۔ وہ خود بڑی پریشان و گھبرائی ہوئی ، گود میں بچہ لئے ہوئے ۔ کہنے لگی ،

"میں بالکل بے گناہ ہوں ۔ میری بے گناہی کا میرا اللہ گواہ ہے ۔۔۔"

اب اللہ کس طرح گواہی دے ۔۔۔۔ ؟

اللہ نے کہا ۔۔۔ میں گواہی دوں گا ۔۔۔۔ میری گواہی کی شان یہ ہے کہ اگر کوئی ناممکن بات ممکن ہو جائے تو سمجھو کہ اللہ نے گواہی دی ہے ۔۔۔ اور اللہ نے مریمؑ کی پاکبازی کی بھی گواہی دے دی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اور وہ کیسے !

کہ ایک دو گھنٹے کا بچہ ۔ جس کا بولنا عادتاً ناممکن ہے اس کو ممکن بنا دیا ۔۔۔۔

اور برخوردار نے پورے شباب میں بلند آواز سے کہا

"میں عبداللہ ہوں۔ اللہ نے مجھے کتاب عطا کی ہے ——— اللہ نے مجھے نبی بنایا ہے ——— "... ... ... ——— اور سب اعتراض کرنے والے واپس چلے گئے ——— مریمؑ کو اطمینان ہوگیا — اور اگر ان جانے والوں کو روک کر کوئی یہ پوچھے ——— "وہ نالائقو ——— تمہیں کیا ہوگیا — یہ تم نے کیا کیا — تم تو یہ کہہ رہے تھے کہ مریمؑ نے گناہ کیا ہے ——— مریمؑ نے قصور کیا ہے تم تو مریمؑ کی عصمت کے خلاف بات کر رہے تھے ——— اور گواہ جواب میں یہ نہیں کہتا "میری ماں بے خطا ہے" ——— "میری ماں معصوم ہے" — بلکہ وہ جواب میں یہ کہتا ہے کہ — "میں نبی ہوں" ——— تمہارا سوال یہ تھا کہ مریمؑ گنہگار ہے ——— اور وہ گواہ کہتا ہے کہ "میں نبی ہوں ——— " ——— اور تم خاموش ہو گئے — — — — -

تو وہ یہودی جواب میں کہتے ہیں

"جناب خاموش نہ ہوں تو کیا کریں ——— ہم نے آسمانی کتابیں پڑھی ہیں ——— ان میں لکھا ہے کہ جو بچہ نبی ہوتا ہے اس کے ماں باپ گنہگار نہیں ہوتے ———"

برخوردار۔ بات ختم ہوئی — بچے نے یوں کے گواہی دے دی — اور — اگر آپ اجازت دیں — تو بطور معترضہ کے طور پر ایک واقعہ آپ کو سناتا جاؤں — کہ جب ہمارے رسولؐ کا گواہ خدا کے گھر میں پیدا ہوا ——— اور رسولؐ اسے لینے گئے خدا کے گھر سے ——— اور گود میں لیا جا کے بچے کو ——— تو بچے کی ماں نے یہ بات کہی ———

"محمد!

یہ بچہ جیئے گا نہیں ———"

کیوں! ——— رسولؐ نے پوچھا

تو بچے کی ماں نے کہا۔

"اس میں زندہ رہنے کے آثار ہیں ہی نہیں — بچے کی جو زندہ رہنے کی علامتیں ہیں وہ اس میں ہیں ہی نہیں — تین دن ہو گئے ایک تو اس نے آنکھ ہی نہیں کھولی دودھ بھی نہیں پیا — اور تین دن ہوئے یہ رویا ہی نہیں — یہی زندہ رہنے کی علامتیں ہیں — نہ دودھ پیتا ہے نہ روتا ہے اور نہ ہی آنکھیں کھولتا ہے یہ کیا زندہ رہے گا —"

رسولؐ نے بچے کو سینے سے لگایا اور فرمایا

"برخوردار — تم نے آنکھ کیوں نہیں کھولی"

"جناب، میں جس گھر میں پیدا ہوا ہوں۔ اس کے طاقوں میں جھوٹے خدا رکھے ہیں — اگر میں آنکھ کھولتا تو اُن سے نظر ٹکراتی — اور نظر ٹکراتی تو ہو سکتا ہے ٹوٹتے ہوئے مروت آجاتی — اس لیے میں نے آنکھ نہیں کھولی — اب آپ آگئے ہیں — تو لیجئے۔ آنکھ کھول دی —"

اب رسولؐ نے پوچھا

"بچے، ایک بات اور بتاؤ — آنکھ تو تم نے کھول دی — مگر تم روئے کیوں نہیں —"

"حضورؐ، جی تو میرا بہت چاہا رونے کو — مگر کعبہ میں میری ماں تھی — اور میں دوسرا اُس کا ساتھی تھا — اور کوئی تیسرا آدمی نہیں تھا — اور ساتھی ہوتے ہوئے رونا مجھے پسند نہ آیا۔"

پھر رسولؐ نے پوچھا

"بچے، تم نے اپنی ماں کا دودھ کیوں نہیں پیا —"

"قبلہ، بڑے زور کی بھوک لگی ہوئی تھی —"

"ہاں، بھوک لگی ہوئی تھی تو دودھ پی لیتے —"

"قبلہ، دودھ کیوں پی لیتا — بھوک تو ہے مجھے — مگر آپ نے مجھے گواہ کر کے بلایا ہے — میں خود تو نہیں آیا۔ آپ کا گواہ ہو کر آیا ہوں — اور جب گواہ ہو کر

گیا ہوں ـــــ تو دنیا کے وکیلوں سے پوچھ لو۔ کہ گواہ کا خرچ خوراک "مدعی" کے ذمہ ہوتا ہے ـــ لہٰذا آپ میری خوراک کا انتظام کریں تو میں بیٹوں گا ـــــ"

رسولؐ نے اپنی انگشتِ مبارک دہن میں داخل کی ـــــ اُس سے دودھ جاری ہوا ـــــ بچے نے منہ پھیر دیا ـــــ رسولؐ سمجھ گئے کہ گواہ ذرا ترمال چاہتا ہے ـــــ لہٰذا آپ نے ہاتھوں پہ بلند کیا ـــــ اور اپنی زبانِ مبارک دہن میں داخل کر دی ـــــ اب زبان سے جو دودھ جاری ہوا تو خوب پیٹ بھر کے پیا ـــــ اور جب پی چکے - پیٹ بھر گیا - تو ننھے ننھے پیارے ہونٹوں سے زبان مضبوط پکڑ لی ـــــ

اب رسولؐ اشارے سے کہتے ہیں

"چھوڑ دو بھی ـــ"

اور بچہ آنکھوں سے کہتا ہے

"ٹھہرو بھی ـــــ"

"پی چکے"

"ہاں ـــ پی چکے ـــ"

"پیٹ بھر گیا ـــــ"

"ہاں - بھر گیا"

"اب ذرا زبان چھوڑ دو"

"نہیں چھوڑتا ـــــ"

اسی طرح رسولؐ کی زبان دہن میں لئے ہوئے گھر آ گئے ـــــ گھر کے بزرگوں نے دیکھ لیا ـــــ تو بچے نے آنکھوں آنکھوں میں بزرگوں سے اشارہ کیا "خاندان کے بزرگو! گواہ رہنا ـــ میرے پیدا ہوتے ہی محمدؐ مجھے "زبان" دے چکے ہیں" ـــــ

بہر نوع۔ یہ ایک ایسا ناممکن ہے جو ممکن ہو گیا ہے ــــــ اسے دیکھ کر ماننا پڑے گا کہ اس میں خدا کا ہاتھ ہے ــــــ اس میں خدا کی گواہی ہے ــــــ

سامعین!

ایک دفعہ میں نے یہ بات مجلس میں کہہ دی ــــ سننے والوں نے کہا ــــ "وہ بالکل جھوٹ ہے۔ غلط ہے" تمہیں شرم نہیں آتی۔ منبر پہ بیٹھ کے جھوٹ بولتے ہو"

تو میں نے کہا

"حضور! جو منبر پہ بیٹھ کے جھوٹ بولے اُس کے برابر کا کوئی بُرا ہے ہی نہیں ــــــ جھوٹ تو نہیں کہتا ہوں میں ــــــ"

"پھر صاحب! بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تین دن کا بچہ بولنا شروع کر دے ــــــ" تو اب ان کو کون سمجھائے کہ جب اللہ گواہی دینا چاہتا ہے تو ناممکن کو ممکن کر دکھاتا ہے ــــ کسی کو یقین نہ آئے تو مریم سے پوچھ لے ــ جس کے ایک گھنٹہ بھر کے بچے نے یہ رول کے گواہی دے دی کہ وہ میں اللہ کا نبی ہوں ــــ اور کتاب ساتھ لے کر آیا ہوں

میرے محترم سامعین!

بتایئے۔ جذبات میں انسان کے اندر سب سے قوی جذبہ جو ہے۔ وہ جذبۂ غم ہے ــــــ غم سے بڑا کوئی جذبہ ہے ہی نہیں ــــــ غم ایسی چیز ہے جو انسان کی صحت پر اثر کرتا ہے۔ زندگی پہ اثر کرتا ہے ــــ سب سے قوی جذبہ ہے جذبۂ غم ــــــــــــــــ

مگر دنیا کا دستور یہ ہے کہ وہ اس جذبۂ غم کو مٹا دیتی ہے ــــــ وہی باپ! جو بیٹے کی میت پر آج مرنے کو تیار تھا۔ مگر مہینے بھر کے بعد جا کر دیکھو۔ تو وہ بھول ہی چکا ہو گا ــــ سال کے بعد جا کر دیکھو تو یاد ہی نہیں رہا۔ گویا دنیا کا دستور ہے کہ وہ جذبۂ غم کو بہت جلد مٹا دیتی ہے۔

اور ایک طرف تو دنیا کا قانون یہ ہے کہ غم کو مٹائے ——— پھر اگر دنیا کے اس قانون کے ساتھ کچھ دنیاوی حکومتیں بھی شامل ہو جائیں ——— اور غم کو مٹانا چاہیں ——— تو ایسا غم تو مٹ جانا چاہیئے مگر اتنی مٹانے کی طاقتوں کے ہوتے ہوئے اگر کوئی غم نہ مٹے ——— تو ناممکن کا ممکن ہونا ہے اس سے پتہ چلتا ہے۔ اس میں اللہ کا ہاتھ ہے ——— ورنہ اگر اللہ کا ہاتھ نہ ہوتا تو یہ مٹ جاتا ——— اتنی طاقتوں کے باوجود کسی غم کا زندہ رہنا۔ یہ اللہ کا ہاتھ ہے ——— اس کی حیثیت کی اللہ گواہی دیتا ہے ——— اور کربلا کا سارا واقعہ تو ہے ہی سارا اللہ کا ہاتھ ——— اگر اللہ کا ہاتھ اس میں نہ ہوتا ——— تو یہ ناممکن باتیں ممکن نہ ہوتیں ——— یہ اللہ کا ہاتھ ہے بس ——— ورنہ کس انسان میں یہ طاقت ہے۔ کس انسان میں یہ قوت ہے جب تک اللہ کا ہاتھ نہ ہو۔ کہ ایک بوڑھا باپ، اپنے جوان بیٹے کی میت اٹھائے ——— اور ہنس پڑے ——— یہ انسان کا کام ہے ہنس کے میت اٹھانا۔؟ یہ ماؤں کا کام ہے کہ بیٹوں کو کفن پہنا دیں مرنے کے لئے۔ اور رات بھر منتیں مانتی رہیں کہ صبح میرے بیٹے کی میت آئے ——— ؟ یہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہو رہا تھا ———

میرے سامعین!

ذرا غور کریں ۔ ایک ایسا شخص! جس میں علیؑ کی طاقت ہے ——— علیؑ کی قوت ہے۔ اور اپنے زمانے کا حیدر کرارؑ ہے۔ اپنے زمانے کا علیؑ ہے ———

اور حسینؑ حکم دیتے ہیں اپنے زمانے کے علیؑ کو

"بھائی عباسؑ! میں تمہیں حکم دیتا ہوں ———"

عباسؑ! حسینؑ فوج کا سپہ سالار ہے۔ سپاہی ہے۔ اور سپاہی کا مزاج ہی کچھ اور ہوتا ہے سپاہی کے تیور ہی کچھ اور ہوتے ہیں ——— اور ادھر دشمن کی فوج ہے کہ بڑھتی چلی آ رہی ہے ——— نویں محرم کی شام ہے ——— اور حسینؑ حکم دیتے ہیں۔ کہ اس بڑھتی ہوئی فوج کو روکو نہیں۔ بلکہ جا کر کہو

"حسینؑ تم سے ایک رات کی مہلت چاہتا ہے ———"

عزا

عباس

دنیا تو سمجھتی ہے ـــــ یہ ناممکن ہے کہ عباسؑ جیسا آدمی اور غصّہ کو روک لے ـــــ
مگر ناممکن کا ممکن ہونا ہی تو اللہ کا ہاتھ ہے ـــــ اور ادھر حسینؑ نے عباسؑ کو
حکم دیا کہ انہیں جا کے کہو

"ہمیں ایک رات کی مہلت دو"

عباسؑ نے اتنا جواب دیا

"مولاؑ! میں ـــــ ان سے مہلت مانگوں؟"

اور مولاؑ نے جواب میں کہا

"ہاں ـــــ میں تمہیں حکم دیتا ہوں ـــــ"

"بہت اچھا"

تلوار کھول کے وہیں رکھ دی۔ گھوڑے پہ سوار ہوئے ـــــ امام
نے احتیاطاً حضرت حبیب ابن مظاہرؓ اور حضرت زہیرؓ کو حکم دیا کہ
تم دونوں بوڑھے بھی ساتھ جاؤ ـــــ کہیں ایسا نہ ہو ـــــ کہ عباسؑ
کو کسی بات پہ غصہ آجائے۔ کسی پہ جلال آجائے ـــــ
اب دائیں بائیں حبیبؓ اور زہیرؓ ـــــ اور بیچ میں گھوڑے پر
اپنے وقت کا حیدرِ کرّارؑ ـــــ فوج کے سامنے پہنچا ـــــ گھوڑا
رکا ـــــ فوجیں بھی رک گئیں ـــــ اور سر جھکا کے چپکے سے
کہتے ہیں

چچا حبیبؓ! وہ مہلت والی بات تم کہہ دو نا ـــــ مجھ سے نہیں کہا جاتا ـــــ"

اور جب حبیبؓ نے کہا

"عباسؑ! آپ کے لئے حکم ہے مولاؑ کا ـــــ"

تو سر جھکا کے۔ زبان میں لکنت۔ اور خاموشی سے کہتا ہے

"میرے مولاؑ کا حکم ہے ـــــ ایک رات کی مہلت چاہیئے ـــــ"

یہ کہتے ہی عباسؑ پسینے میں تر ہو گئے ـــــ بدن میں رعشہ آ گیا ـــــ پورا بدن کانپ رہا تھا۔

اور فوج نے کہہ دیا

"مہلت ہے"

اب جو واپس لوٹے تو حبیبؓ و زہیرؓ دونوں بوڑھے آپس میں باتیں کرنے لگے ـــــ

حبیبؓ نے زہیرؓ سے پوچھا

"زہیرؓ!

تمہیں یاد ہے نا ـــ جب اس جوان کی والدہ سے علیؑ کا نکاح ہوا تھا ـــ تو ہم دونوں نکاح

میں شامل تھے اس وقت ـــــ"

زہیرؓ نے کہا

"ہاں ـــ مجھے یاد ہے"

اب حبیبؓ بولا

"زہیرؓ! نکاح کے وقت بھلا علیؑ نے کیا کہا تھا ـــــ

یہی کہا تھا نا ـــــ کہ اس خاتون کے بطن سے جو میرا بیٹا ہوگا ـــــ وہ میری

شجاعت کا وارث ہوگا ـــ"

اب وہ بڈھا زہیر کہنے لگا

"ہاں ـــ بالکل یہی بات تھی"

حبیبؓ و زہیرؓ نے تو آپس میں یہ بات کی۔ اور قمرِ بنی ہاشم جناب عباس غازیؑ نے حسینؑ کے گھوڑے

کی باگ روک لی ـــــ اور ایک انگڑائی جو لی تو گھوڑے کی رکابیں ٹوٹ گئیں۔ اور بھرائی

آواز میں فرماتے ہیں

چچا حبیبؓ!

ایسی باتیں کر کے مجھے شجاعت کا جوش دلا رہے ہو ــــ تو میں یہیں ٹھہرا ہوا ہوں ۔ تم دونوں جاؤ ــــ اور مولاؑ سے مجھے اجازت لا دو ــــــ اگر کل سورج نکلنے سے پہلے کوفہ کے دارالامارہ پر حسینؑ کا علم نہ لہرا دوں ۔ تو علیؑ کا بیٹا نہ کہنا ــــــ "

عباسؑ نے یہ فقرہ جو پورے جوش میں کہا ۔ تو امامؑ یہاں سے اُٹھے ــــ تیزی سے پہنچے ۔ اور تینوں بزرگ گھوڑوں سے اتر آئے امامؑ کو آتا دیکھ کر ــــ اور حسینؑ نے آ کے بھائی کے گلے میں ہاتھ ڈال دیئے ۔ اور فرمایا

"میرے پیارے بھائی !

کیا بات ہے ــــ تمہیں غصہ کیوں آ گیا ــ " ــــــــــــ

"قبلہ !

میری کیا مجال ہے کہ تیرے حکم کے بعد غصہ کروں ــــــ یہ کچھ کہہ رہے تھے ۔ میں نے بات کر دی ــــــ "

اور حسینؑ ، بھائی کے گلے میں بانہیں ڈالے ہوئے خیمے میں لے آئے ــــــــ اور دنیا نے دیکھا کہ اللہ نے اپنی گواہی دے کر کس طرح ہونا ممکن کو ممکن بنا دیا ــــ یہ مجالس یہ عزاداری ختم ہو جاتی ۔ اگر اسمیں اللہ کا ہاتھ نہ ہوتا ــــ انہوں نے اللہ کے مالک الملک ہونے کی شہادت دی ــــ اور اللہ نے ان کی شہادت کی گواہی دے دی ۔

اور سامعین !

میں اپنے بیان کو یہاں آ کر ختم کرتا ہوں کہ حضرت ابراہیمؑ کے لئے اللہ نے آگ گلزار کر دی ــــ اس میں اللہ کا ہاتھ ہے ۔ اللہ جانے بھلی ہو گی یا نہیں ــــــ تو میں عرض کرتا ہوں

پرانی بات کی کیا بات ہے ــــ تم آج ہی جا کے دیکھ لو ــــــــ

۵۶۰

آج بھی مجلس کے بعد آگ پر ماتم ہوگا ـــــ وہاں بھی گلزار ہوئی تھی۔
یہاں بھی دیکھ لیں ـــــ اور حضرت ابراہیم نے اللہ جانے کیا کہا ہوگا
جس سے آگ گلزار ہوگئی تھی ـــــ ہمیں جو فقرہ یاد ہے ـــــ وہ
ہم کہدیں گے۔ اور وہ یہ کہ ایک دفعہ کہا
وہ ہائے حسینؑ ہو ـــــ آگ بجھ گئی ـــــ

سامعین!

در ہائے حسینؑ" کہنے سے یہ آگ بجھ کیوں جاتی ہے ـــــ
حسینؑ کا نام سن کے آگ شرما جاتی ہے ـــــ جہاں حسینؑ کا نام لیا۔
آگ کو شرم آگئی ـــــ
بات کیا ہے ـــــ؟
آگ جانتی ہے کہ میں وہی آگ ہوں نا ـــــ جس نے حسینؑ
کے خیمے جلائے تھے ـــــ اس لئے یہ نامراد آگ شرما
جاتی ہے ـــــ اور

سامعین!

وہاں صرف مردوں نے جاکر آگ پہ ماتم دیکھنا ہے
ـــــ اس لئے کہ مستورات کے لئے وہاں پردے کا کوئی
انتظام نہیں ہے ـــــ اور وہ اس لئے بھی کہ ـــــ
پردہ نشین عورتیں آگ کو دیکھ چکی ہیں ـــــ کربلا میں اُن پہ
گذر چکا ہے واقعہ ـــــ
اور مردوں نے چونکہ آگ میں جلتے خیمے دیکھے نہیں جب
خیموں میں آگ لگی تھی ـــــ مرد نہیں تھے ـــــ عورتیں دیکھ چکی ہیں ـــــ

لہٰذا صرف مرد ہی جائیں گے آگ پہ ماتم دیکھنے کے لئے ــــــ

اللہ ہمیں مودت محمدؐ و آلِ محمدؐ عطا فرمائے ــ اور ہم ان کی مودت میں جئیں

"اور ان کی مودت میں مریں"۔

بحق محمدؐ و آلِ محمدؐ

"ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم"

(اللھم صل علیٰ محمدؐ و آلِ محمدؐ)

ـــ ؞ ـــ

اے آلِ محمدؐ!

اچھے غلاموں کو "اپنا" کہنا تو ہر آقا کا

کام ہے ــــــــــــــــ

تمہاری شان تو یہی ہے کہ ہم جیسے

گنہگاروں کو "اپنا" کہہ دو۔

(خطیب آلِ محمدؐ)

معرفتِ امامؑ

(شہادت حضرت سعیدؓ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

"خداوند عالم عز اسمہٗ و جل جلالہٗ کی حمد و ثنا کے بعد حضرت محمدؐ و آل محمدؐ پر درود و سلام"

حضرات گرامی!

اللہ کی طرف سے مسلمانوں کے پاس آج ذریعۂ علم دو چیزیں ہیں ــــ ایک کتابِ خدا۔ ایک حدیثِ رسولؐ۔ جسے کتاب و سنت کہا جاتا ہے

کتاب کے متعلق تو تمام مسلمانوں کا ایمان ہے۔ کہ یہ اللہ کی کتاب ہے ــــ اختلاف معانی میں ہو جاتا ہے۔ ورنہ جہاں تک کتاب کا تعلق ہے۔ اُسے دنیا کے تمام مسلمان مانتے ہیں ــــــ اور سب کا ایمان ہے کہ یہ اللہ کی کتاب ہے۔ اور کتاب اللہ ہونے میں کسی کو اختلاف نہیں ہے۔ سب کا ایمان ہے کہ یہ کتاب اللہ ہے اور خدا کا کلام ہے ــــــ اس میں کوئی شک و شبہ ہے ہی نہیں ــــــ

اور حدیث رسولؐ جو ہے۔ وہ حضور رسالت مآبؐ کا فرمان ہے ــــ اللہ کی کتاب کی تشریح و توضیح ہے۔ جسے "حدیث" کہتے ہیں ــــ اور جہاں تک حدیثوں کا تعلق ہے ــــ اس میں مسلمانوں میں اختلاف ہے۔ کہ یہ حدیث ضعیف ہے یا قوی ہے۔ یہ حدیث صحیح ہے یا غلط ہے ــــ یہ حدیث ہے یا نہیں ہے ــــ یہاں تک اختلاف برداشت ہو سکتا ہے۔

یہ ایک تحقیق ہے ــــــ اور انسان کو تحقیق کرنی چاہیئے کہ واقعتاً یہ رسولؐ نے فرمایا ہے یا نہیں ــــــ مگر ان اصول و قواعد کے مطابق جو کسی حدیث کو پرکھنے کے لئے علمائے حدیث نے متعین کیئے ہیں ــــــ اور ان اصول کے مطابق جب یہ طے ہو جائے کہ واقعتاً یہ رسول کا فرمان ہے ــــــ تو پھر اس کا نہ ماننا وہی ہے جیسے کتاب خدا کا نہ ماننا ــــــ گویا یہاں تک تو اختلاف ہو سکتا ہے کہ یہ حدیث ہے بھی کہ نہیں ــــــ مگر جب یہ فیصلہ ہو جائے کہ واقعتاً یہ حضورؐ نے فرمایا ہے ــــــ تو پھر اس میں شک کرنا یا نہ ماننا ایسا ہی ہے جیسا کتاب خدا کا نہ ماننا ــــــ اس لئے کہ حدیث جو ہے۔ اصل میں۔ یہ تفسیر ہے۔ تاویل ہے۔ تعبیر ہے کتاب خدا کی ــــــ اس سے انکار کرنا گویا کتاب خدا سے انکار کرنا ہے۔

اور مختصر سے لفظوں میں یہ بات بھی سناتا جاؤں کہ کتاب خدا میری مراد ہے صرف "قرآن" ورنہ کتاب خدا اور بھی ہیں) ــــــ آج روئے زمین پر ایسی کتاب ہے۔ جس کی ابتدا یہاں سے ہوتی ہے کہ "لا ریب فیہ!" "اس کتاب میں کوئی شک و شبہ ہو سکتا ہی نہیں ــــــ" ورنہ دنیا کی کسی کتاب پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ "لا ریب فیہ" ہے ــــــ یہ صرف اس کتاب کی خصوصیت ہے جو اعلان کرتی ہے اس بات کا کہ "لا ریب فیہ" "اس میں ریب" ہو سکتا ہی نہیں ــــــ اس میں کوئی شک ہو سکتا ہی نہیں ــــــ اس کی بات کبھی غلط ہو سکتی ہی نہیں اس کا مصنف وہ ہے جو کبھی غلط بات کہہ سکتا ہی نہیں ــــــ اور اس ساری کائنات کا پیدا کرنا ــــــ یہ خدا کا فعل ہے ــــــ اور "قرآن" خدا کا قول ہے ــــــ اور یہ کبھی ہو سکتا ہی نہیں کہ ایک حکیم مطلق کے قول و فعل میں اختلاف ہو ــــــ جو قول ہے وہی فعل ہے ــــــ جو فعل ہے وہی قول ہے ــــــ اور اگر کہیں غلطی نظر آ جائے۔ تو یہ سمجھیئے۔ یہ ہماری سمجھ کی غلطی ہے۔ ورنہ غلطی نہیں ہے۔

سامعین! ایک شخص سے کسی نے کہا ــــــ "تیری آنکھیں ٹیڑھی ہیں۔ تجھے ایک کے دو نظر آتے ہیں۔"

تو اس نے کہا

"بالکل غلط۔ تم جھوٹ بولتے ہو۔ مجھے تو ایک کا ایک ہی نظر آتا ہے ___ اگر مجھے ایک کے دو نظر آتے تو چاند مجھے چار کیوں نہ نظر آتے ___ دو ہیں۔ دو ہی نظر آتے ہیں ___"

بھائیو ___ اس بات کا علاج نہیں کسی کے پاس ___ یہ ہماری نظر کی غلطی ہے ___ ہمارے سمجھنے کی غلطی ہے ___ ورنہ کتاب میں تو کوئی "ریب" ہو سکتا ہی نہیں۔

اب یہ خود عقل انسانی بتاتی ہے ___ کہ اگر کتاب ایسی ہے کہ "لاریب فیہ" ہے ___ جس میں بد بر عیب، ہو سکتا ہی نہیں ___ تو اس کا مفسر بھی وہ ہونا چاہیئے ___ جس کی صفت ہو "لاعیب فیہ" جو نہ غلطی کرنے والا انسان ہو ___ " ___ یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ غلطی کرنے والا انسان مفسر بن بیٹھے اس کتاب کا جس میں "ریب" ہے ہی نہیں ___ "لاریب فیہ" کا مفسر بھی وہی ہو جو "لا عیب فیہ" ہو ___ جس سے کبھی غلطی ہو سکتی ہی نہ ہو ___ ایسا مفسر ہونا چاہیئے "کتاب اللہ" کا ___

حضور والا!

لوگ کہتے ہیں کہ انسان میں عقل ہے اور حیوان میں عقل نہیں ہے ___ حالانکہ یہ غلط ہے ___ حیوان بھی بڑا عقل مند ہوتا ہے ___ بلکہ بہت سے حیوان تو انسانوں سے زیادہ عقل مند ہیں ___ بہت سے حیوان دنیا میں ایسے ہیں جو انسانوں سے زیادہ عقل مند ہیں ___ اور اگر آپ کو یقین نہ آئے تو میں ابھی مثال دیتا ہوں آپ کے سامنے ___ کسی لمبے چوڑے قد کے حیوان کی نہیں ___ بلکہ ایک ننھا سا حیوان ___ ایک چھوٹی سی جان ___ دیکھنے میں بے حقیقت ___ مگر انسانوں سے زیادہ ذی عقل ___ اسے کہتے ہیں "شہد کی مکھی"۔

اس دنیا کے انسانوں کے ذرا مقابلہ تو کر دیکھیں اس شہد کی مکھی کی عقل کا ـــ کتنی عقل مند ہے یہ ـــ آپ بھی گھر بناتے ہیں ـــ دو منزلہ، پانچ منزلہ، دس منزلہ، بیس منزلہ ہم نے کوٹھی بنائی ـــ مگر اس کے بنانے میں سینکڑوں معماروں کی خوشامد کرنا پڑی ـــ اور خدا جانے ہزاروں مصیبتیں ہیں ـــ جب جا کے کہیں عمارت بنی ـــ گھر تیار ہوا ـــ مگر شہد کی مکھی ـــ ایک ننھی سی جان! جب یہ گھر بنانے پہ آتی ہے ـــ تو یہ کس شان سے گھر بناتی ہے ـــ اس کو نہ کسی معمار کی خوشامد کرنا پڑی۔ نہ کسی انجینئر کی خوشامد کرنا پڑی۔ نہ کسی نقشہ نویس کی خوشامد کرنا پڑی

اپنے گھر سے اڑی ـــ سیدھی باغ میں پہنچی ـــ دگر بانیوں کی طرح نہیں ـــ دغاداروں کیطرح ـــ سب پھولوں کو دیکھا ـــ ہر پھول پہ پھولی نہ سمائی ـــ ہر پہ نہیں دیکھ کر جلوؤں پھولوں میں سے انتخاب کیا کہ ـــ "میرے قابل کونسا ہے" ـــ ہیں سب ایک ہی باغ کے پھول ـــ مگر ایک باغ میں ہونے سے شہد کی مکھی ہر پھول پہ نہیں بیٹھتی ـــ وہ دیکھتی ہے ـــ "میرے لئے مناسب کونسا ہے"

اور پھر وہ مناسب پھول کے پاس پہنچتی ہے ـــ اور جا کے پھول کو ستاتی نہیں ـــ اُسے پریشان نہیں کرتی ـــ اس کی پتیاں نہیں بکھیرتی ـــ اس کی موت نہیں لاتی ـــ بلکہ بڑے ادب سے پھول کے قریب جا کے کہتی ہے

"السلام علیکم"

اور پھول کہتا ہے جواب میں ـــ "وعلیکم السلام"

بس پھول کا منہ کھلا اور یہ گود میں بیٹھ گئی ـــ اور گود میں بیٹھ

کے آرام سے گفتگو شروع کر دی - اور اس خوبار کے ساتھ بات کرتی ہے پھول سے ___ کہ یہ بات کرتی رہی اور پھول سنتا رہا ___ یہ اپنی خوراک جمع کرتی رہی پھول کو پتہ بھی نہ چلا ___ عارضِ گل پہ خراش بھی نہ آیا ___ دامنِ گل پہ گرد بھی نہ پڑی ___ ا

اس نے اپنی شئے اکٹھی بھی کر لی ___ اب گھر لے کے آگئی ___ اور ایسا عجیب گھر بنایا کہ گھر کا گھر بھی تیار رہا اور خوراک کا ذخیرہ بھی اکٹھا ہوتا رہا ___ اگر ہمارا بنایا ہوا گھر ٹوٹ جائے تو ملبے کا ڈھیر ___ اور اس کا بنایا ہوا گھر ٹوٹ جائے تو ___

"لوگوں کے لئے شفا بھی ہے اور لذّت بھی ہے"

اب بتاؤ!

شہد کی مکھی تم سے زیادہ ہوشیار ہے یا نہیں ___

تو آپ کہیں گے ___ "وہ ہوشیار نہیں ہے ___"

"بات کیا ہے! ___ کہ وہ جو گھر بناتی ہے ___"

اللہ اُسے "وحی" کرتا ہے ___ اور ہم جو بناتے ہیں ___ ہم اپنی عقل سے بناتے ہیں ___

"وہ بناتی ہے "وحی" سے ___ اور ہم بناتے ہیں اپنی عقل سے ___

بس یہاں سے پتہ چلتا ہے ___ کہ اپنے بنائے ہوؤں اور "وحی" کے بنائے ہوؤں میں کیا فرق ہے ___ جو "وحی" سے بنے - اُن کی کیا شان ہے ___ اور جو ہم بنائیں ان میں کیا مصیبت ہے ___ اور ایسا عظیم گھر ان کے تیار ہوتا ہے ___ اب بتاؤ! شہد کی مکھی ذی عقل ہے کہ نہیں ___ اس کے عقل مند ہونے میں آپ کو انکار تو نہیں ___

بہر نوع - یہ سب جانور عقل مند ہیں - ان میں بھی عقل ہے - ان میں بھی سمجھ ہے - جو ان سے مروّت سے پیش آئے - اس سے پیار کرتے ہیں ___ اور جو ڈنڈا لے کر مارنے بھاگے ___

تو فوراً جاگ جاتے ہیں۔ اچھوں سے محبت اور بروں سے نفرت کا مادہ ان میں بھی موجود ہے

اور جس راستے سے ایک دفعہ گذر جائیں۔ کیا مجال جو اس راستے کو بھول جائیں۔

ہم چاہے بھول جائیں ـــــ مگر وہ اسی راستے پہ چلیں گے۔ اور اگر خطرہ سامنے آجائے ـــ تو وہیں رک جائیں گے ـــ کیا مجال جو آگے بڑھ جائیں ـــ مالک کی حفاظت اور اطاعت بڑی شان کے ساتھ کرتے ہیں ـــــ

یہاں تک کہ دنیا کا نجس ترین جانور ہے کتا۔ ـــ اور کتے کو اسلام نے بڑا ہی نجس جانور قرار دیا ہے ـــ مگر اس نجس جانور کی شرافت بھی آپ نے دیکھی ہوگی ـــــ اپنے مالک کی حفاظت کرتا ہے ـــ غیر کو آنے نہیں دیتا ـــ یہ کتا مگر اس میں بھی یہ خوبیاں ہیں ـــــ صرف اس لئے پالنے سے روک دیا ہے۔ کہ اس میں ایک عیب ہے ـــــ اور وہ یہ۔ کہ ”غیر کے سامنے دُم ہلاتا ہے۔ اور اپنی جنس کو کاٹنے کو دوڑتا ہے“۔ ـــ اگر تم اسے گھر میں پالو گے تو کہیں تمہیں یہ عادت نہ پڑ جائے۔ کہ ”اپنے بھائیوں سے لڑو ـــ اور غیر کی خوشامد کرو ـــ“ ـــ یہ عیب ہے اس میں ـــ ورنہ جناب ـــ بڑا اچھا جانور ہے ـــ ساری عقل مندیاں ہیں اس میں ـــ سارے شعور ہیں اس میں ـــــ

انسان تو خواہ مخواہ اکڑتا ہے کہ مجھ میں عقل ہے ـــ حالانکہ اس سے زیادہ ان حیوانوں میں عقل ہے ـــ فرق کیا ہے ـــ انسان ناطق ہے ـــ اور حیوان بیچارہ ناطق نہیں ـــــ

اب ناطق کے معنی کیا ہیں ـــــ؟

بولنے والا ”ـــ یہ غلط ہے ـــ وہ بھی بولتا ہے ـــ یہ الگ بات ہے کہ آپ ان کی بولی نہیں سمجھتے ـــ اور آپ کے نہ سمجھنے سے تو ان کی بولی میں کوئی فرق نہیں آیا ـــ جس طرح انسان، انسان کی بولی نہیں سمجھتا ـــ ابھی یہاں کوئی چینی

چینی زبان بولنے لگے ــــ حالانکہ وہ انسان ہے ــ بول رہا ہے ــــ مگر آپ کیا کہیں گے۔

"میاں۔ بیٹھ جا۔ کیا "چیں چیں" شروع کر دی"

ــــ حالانکہ انسان ہے ــ بول رہا ہے ــ مگر وہ ہماری سمجھ میں نہیں آتی ــ جیسے انسان، انسان کی زبان نہیں سمجھ سکتا ــــ تو حیوان کی بھی زبان ہم نہیں سمجھ سکتے ــ ورنہ حیوان بولتے ہیں ــــ یہ غلط بات ہے کہ وہ نہیں بولتے ــ حیوان بولتے ہیں ــ نُطق اُن میں بھی ہے ــــ اگر اُن میں نُطق نہ ہوتا۔ تو قرآن میں یہ لفظ نہ ہوتا کہ "ہم نے سلیمانؑ کو "منطق طائر" سکھائی ہے ــــ" ــــ طائروں کا نُطق سمجھنا سکھایا ہے ــــــ صاحبان! دیکھئے۔ جانور کا بولنا میں قرآن سے بتاتا ہوں ــ کہ جانور بولتا ہے ــ اور جانور بھی ایک ننھا سا جانور "چیونٹی" ــــ بے نا ننھا سا جانور ــــ مگر بولتا ہے ــ قرآن میں بھی موجود ہے کہ بولتا ہے۔

حضرت سلیمانؑ اپنی فوج کے ساتھ جا رہے تھے کہ ..

"بولی ایک چیونٹی"

کیا کہا بولی کہ اس چیونٹی نے اپنی باقی برادری سے کہ "اپنے اپنے گھروں میں چلے جاؤ۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ سلیمانؑ کی فوج تمہیں کچل دے اپنے پیروں کے نیچے ــــ" ــــ

ــــ اب اس کی بولی حضرت سلیمانؑ نے سمجھ لی تو انہوں نے حکم دیا "اس چیونٹی کو گرفتار کر کے لے آؤ"

اب چیونٹی کی گرفتاری کے آرڈر ہو گئے ـــــــــــــــ مگر

صاحبان!

تم ہی ایمان سے کہو۔ اگر ملزم چیونٹی ہو۔ تو پولیس کونسی گئی ہو گی

اُسے پکڑنے کے لئے ـــــــــ کوئی مچھر

"جاؤ۔ چیونٹی کو گرفتار کر کے لے آؤ ـــــ"

اور چیونٹی بیچاری کے ہاتھ پاؤں باندھ کے حضرت سلیمانؑ کے سامنے پیش کر دیا

ننھی سی جان ـــ ذرا سا دل ـــــ اس کا دل تو دھک دھک کرنے لگا ـــــــــــــــ

اتنے بڑے شہنشاہ کے سامنے ایک بیچاری چھوٹی جان "چیونٹی" ملزم کی حیثیت سے کھڑی ہے۔

سلیمانؑ نے کہا

"یہاں لاؤ ـــ" ـــــــــــــــــ اور چیونٹی آگئی ـــــــــ

"بول ـــــ تم مجھے ظالم سمجھتی ہو ـــــ" حضرت سلیمانؑ نے غصّہ میں پوچھا ـــــــ

"نہیں جناب" چیونٹی نے بڑی عاجزی سے جواب دیا۔

اب سلیمانؑ فرماتے ہیں

"چیونٹی!

تم سمجھتی ہو کہ مجھے نظر نہیں آتا کہ تم چل رہی ہو"

"جناب آتا ہے"

"پھر تم نے کیوں کہا ـــــ اپنی برادری سے کہ ہٹ جاؤ۔ سلیمانؑ کہیں تمہیں کچل نہ دیں ـــــ

ہم راستے میں کچلتے ہیں کسی کو ـــــ تم نے یہ بات کیوں کہی ـــــ"

چیونٹی نے عرض کی

"حضور۔ گذارش یہ ہے ـــــ کہ ذرا میرے ہوش وحواس ٹھیک ہو لینے دیں۔ پھر

اب دوں گی ـــــ"

جب چیونٹی کے ذرا ہوش وحواس ٹھیک ہوئے ـــــ تو بولی

"قبلہ!

گذارش یہ ہے۔ کہ ہماری نماز کا وقت تھا۔ اور ہماری ساری برادری آپ کی فوج کا تماشہ

بیٹھے گی ـــــ مجھے یہ ڈر ہوا کہ کہیں تماشے میں نماز نہ قضا ہو جائے ـــ اس لیے میں نے انہیں
ڈرا کے بٹھا لیا تھا ـــ کہ نماز ان کی قضا نہ ہو جائے ـــــ ہماری عبارت ضائع نہ چلی جائے ـــ "
"اچھا ـــ یہ بات تھی" ـــــ اب سلیمانؑ بہت خوش ہوئے
"شاباش۔ تم نے بڑا اچھا کیا ہے ـــ تم بہت اچھی ہو چیونٹی ـــ"
اب سلیمانؑ نے چیونٹی کو اپنے ہاتھ کی ہتھیلی پہ بٹھا لیا۔ اور ہتھیلی پہ بٹھا کے فرمایا
"چیونٹی! تم نے بڑا اچھا کیا ہے ـــ ہم تم سے بہت خوش ہوئے ـــ"
اب ذرا چیونٹی کی بھی جان میں جان آ گئی ـــــ اور حضرت سلیمانؑ چیونٹی کو ہاتھ کی
ہتھیلی پہ بٹھا کے کہنے لگے
"چیونٹی! تم بہت ہوشیار ہو ـــ ایک بات بتاؤ ـــ تم بہتر ہو یا میں ـــ؟"
سامعین!
چشم بددور۔ آپ پڑھے لکھے حضرات تشریف فرما ہیں ـــ ایک بات بتاؤ ـــ
کہ اگر چیونٹی یہ کہہ دے سلیمانؑ سے کہ ـــ "آپ بہتر ہیں" ـــ تو یہ سلیمانؑ کی توہین نہیں
ـــــ کہ کون سلیمانؑ؟ ـــ جو چیونٹی سے بہتر ہے"!
اسی لئے تو کہتا ہوں کہ جب مقابلہ کیا کرو تو کسی مقابلے والے سے کیا کرو۔
اب سلیمانؑ کو انتظار ہے کہ چیونٹی کیا جواب دیتی ہے۔
سلیمانؑ پوچھتے ہیں
"چیونٹی! بولو نا ـــ"
"قبلہ کیا بتاؤں ـــ" اگر یہ بتاؤں کہ آپ مجھ سے بہتر ہیں ـــــ تو مجھ
سے بہتر ہونا بھی کوئی بات ہے ـــ"
"پھر کچھ تو کہو"
"قبلہ۔ اگر آپ مجبور ہی کرتے ہیں ـــ تو ایک بات کہتی ہوں ـــ کہ اس وقت

آپ کو کیا شے اٹھائے ہوئے ہے ـــــ "

سلیمانؑ نے کہا

"ہوا" ـــــ ہوا کے اوپر میرا تخت ہے ـــــ "

اب چیونٹی نے کہا

"عالی جاہ! آپ کو تو اٹھائے ہوئے ہے "ہوا" ـــــ اور مجھے کیا اُٹھائے ہوئے ہے ـــــ "

سلیمانؑ نے کہا

"میرا ہاتھ" ـــــــــــــــ تو چیونٹی بولی ـــــــ

"اب قبلہ آپ ہی بتائیں ـــــ وہ بہتر ہے جسے ہوا اٹھائے ہوئے ہے یا وہ بہتر ہے جسے نبیؑ اٹھائے ہوئے ہے ـــــ "

سلیمانؑ بہت خوش ہوئے ـــــ اور واپسی پر اُسے چھوڑ دیا جہاں سے اُسے اٹھایا تھا اور یہ بات چیونٹی کی طرح آج تک کئی کتابوں میں آگئی ـــــ بات تو چیونٹی کی تھی ـــــ مگر ہمارے دور میں آج بھی چیونٹی کی چال کی طرح چل رہی ہے ـــــــ کہ اگر نبی کسی کو اٹھائے ـــــ چاہے وہ چیونٹی ہی کیوں نہ ہو ـــــ اس کی بات ہی اور ہے۔ اس کی شان ہی اور ہے ـــــ اس کا انداز ہی اور ہے ـــــ اس کا وقار ہی اور ہے ـــــــ

اب اس کے مقابلے کا ایک واقعہ اور سُن لیجیے۔

امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کے ساتھ جناب حضرت سلمان فارسیؓ چلے جا رہے تھے مدینے سے باہر ایک جنگل میں ـــــ اتفاق سے ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں یہ چیونٹیاں اپنے دَل سے نکل آئیں ـــــ تو سلمان فارسیؓ نے اس دَل کو دیکھ کر کہا ـــــ

"پاک ہے وہ ذات جو ان کی تعداد کو جانتی ہے ـــــ "

حضرت امیر المومنینؑ نے فرمایا

"سلمانؓ ! توبہ کر ___ یہ کیا کہہ دیا تو نے ___ بلکہ یوں کہو کہ پاک ہے،
ذات جس نے انہیں پیدا کیا ہے" ___ اور رہی تعداد ! وہ تو میں بھی جانتا ہوں ___
اور تری تعداد ہی نہیں جانتا ___ بلکہ یہ بھی جانتا ہوں کہ ان میں نر کتنے ہیں اور مادہ کتنے ہیں
ان میں جوڑا کتنے ہیں۔ ان میں فرد کتنے ہیں ___ یہ کہاں جا رہے ہیں اور کہاں سے آ رہے
ہیں ___ اتنا تو میں بھی جانتا ہوں ___ اور سلمانؓ ! ادھر آؤ ___ تجھے
بتا دوں۔ تو بھی سمجھ لے ___"

اب مولا نے سلمانؓ کے چہرے پہ ہاتھ پھیرا ___ اور سلمانؓ سمجھنے لگا چیونٹی کی بات ___
تو ان چیونٹیوں کا سردار اپنی برادری سے یہ کہہ رہا تھا
"جلدی جلدی اپنے گھروں سے نکل کے باہر آؤ ___"

سامعین !

حضرت سلیمانؑ کے وقت چیونٹی اپنی برادری سے کہہ رہی تھی ___
"اپنے گھروں میں جاؤ" اور وہ اس لئے کہہ رہی تھی کہ کہیں جاہ رہے
میں فرق نہ آ جائے ___ اس لئے "اپنے گھروں میں جاؤ" ___
اور یہاں جناب امیرؑ کے وقت چیونٹی کا سردار اپنی برادری
سے کہہ رہا ہے کہ
"جلدی جلدی اپنے گھروں سے نکل کے باہر آؤ۔ کیونکہ وہ آ گیا ہے
___ جس کا چہرہ دیکھنا ___ عبادت ہے ___"

بہرنوع۔ یہ جانور بھی عقل مند ہیں ___ ان میں بھی شعور ہے ___ یہ بھی سمجھتے ہیں ___
بولتے ہیں ___ یہ اور بات ہے کہ ہمیں ان کی اس سمجھ کا شعور نہیں ہے۔ ورنہ وہ بولتے
ان میں بھی شعور ہے ___ اور ان ہی چیزوں سے قدرت اپنے مظہر کا تعارف کرواتی ہے ___"
گواہی ہے قدرت کے مظہر کی ___ حالانکہ بظاہر یہ ناممکن ہے کہ ہم ان جانوروں کی عقل و شعور

کہ انسانی عقل کے برابر سمجھیں ـــــ مگر جب خدا چاہتا ہے تو اپنی قدرت کی گواہی دینے کے لیے وہ ان جانوروں کی عقل و شعور کا تعارف کرواتا ہے ـــــ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ کی قدرت کیا ہے ـــــ اس کا شاہکار کیا ہے

میرے سامعین !

جب کسی ناممکن بات کو ممکن کر دکھانا ہو۔ تو اللہ اپنی قدرت کے ذریعہ اس کی گواہی دیتا ہے ـــــ اور اللہ والے اس گواہی کی ضمنی ٹھہرنے کے لیے اپنی شہادت پیش کر دیتے ہیں۔ لفظِ شہادت کے معنیٰ بھی یہی ہیں جو گواہی کے معنیٰ ہیں ـــــ

اب آج ہمارے رسولؐ کا کنبہ کربلا میں بیٹھا ہوا ہے ـــــ اللہ کے مالک الملک ہونے کی گواہی دینے کے لیے حسینؑ ابن علیؑ اپنے عزیزوں و جاں نثاروں کے ساتھ کربلا میں تشریف لائے ہوئے ہیں ـــــ ساتویں تک مقدمہ کی سماعت ہوتی رہی ـــــ دسویں محرم کو گواہیاں پیش کرنا شروع کر دیں ـــــ اور خاندانِ رسول گواہی دے رہا ہے کہ

وہ لوگو !

جو کچھ ہماری جد نے کہا ہے ـــــ جو کچھ اللہ نے کہا ہے ـــــ جو کچھ کتاب اللہ نے کہا ہے ـــــ وہ بالکل حق ہے ـــــ اس میں کوئی غلطی نہیں ـــــ اور اگر اس میں کوئی غلطی ہوتی ـــــ تو ہم اتنی بڑی قربانی نہ دیتے ـــــ ہم اسکی گواہی دینے آئے ہیں ـــــ ہم اس کی شہادت دینے آئے ہیں ـــــ

اور لطف یہ ہے میرے پیارے بھائی ۔

سینکڑوں آدمی ساتھ ہیں سبق کے ـــــ اور مولا انہیں فرماتے کیا ہیں۔

بھائیو ! میں مر جاؤں گا ـــــ جو میرے ـــــ ہوں گے وہ بھی مریں گے ـــــ کفن نہیں ملے گا ـــــ قبر نہیں ملے گی ـــــ کہ بچے قید ہو جائیں گے ـــــ عورتوں کے سر پہ چادر نہیں رہے گی ـــــ اگر یہ مصیبت منظور ہو تو

میرے ساتھ ٹھہرو ـــــ ورنہ جاؤ ـــــ"

سینکڑوں آدمی چلے گئے ـــــ سینکڑوں آدمی واپس بھیج دیئے ـــــ اچھے خاصے جوان بہادر، جن کو ساتھ رکھنے کی ضرورت تھی ۔ ان سب کو مولاؑ نے واپس بھیج دیا ـــــ آخر چھٹ کے بہتّر رہ گئے ۔

اب پوچھے کوئی ۔ "مولاؑ!

وہ واپس کیوں بھیج رہے ہو ـــــ"

مولاؑ فرمائیں گے

"مجھے اُن کی ضرورت نہیں ـــــ"

اب جو کئی منزلوں سے حسینؑ کے ساتھ تھے ۔ انہیں تو مولاؑ واپس بھیج رہے ہیں ـــــ اپنے گھر بیٹھا ہے "حبیبؓ" اُسے خط لکھ رہے ہیں کہ آجاؤ ۔

آپ نے غور فرمایا ـــ اگر ضرورت تھی اپنے مددگاروں کی تو انہیں کیوں بھیج د ـــــ اور ضرورت نہیں تھی تو اُسے کیوں بلا رہے ہیں ـــــ تو حسینؑ فرماتے ہیں

"سنو!

میں لڑنے نہیں جا رہا ـــ جو انہیں ساتھ رکھوں ـــ میں شہادت کے لیے جا رہا ہوں ـــ

مجھے وہ آدمی چاہیئے جو گواہ بن سکتا ہو ـــ اور یہ جو میرے ساتھ تھے ۔ یہ گواہ نہیں بن سکتے تھے ـــ مجھے ان کی ضرورت نہیں تھی ـــ مجھے حبیبؓ کی ضرورت ہے جو گواہ بن سکتا ہے ۔ جو شہادت دے سکتا ہے"

بس بھائیو!

میری گفتگو یہاں آ کے ختم ہوتی ہے کہ کس شان سے حبیبؓ و سعیدؓ نے شہادت دی ـــ

یہ حبیبؓ اور سعیدؓ دو بزرگ تھے کربلا میں حسینؑ کے ساتھ ـــ اور ... طور پہ یہ

مشہور ہو گیا ہے کہ حبیبؓ بہت بڑھے تھے ـــــ حالانکہ حبیبؓ تو امام حسینؑ کے ہم سن تھے۔ وہ تو مولاؑ کے بچپن کے دوست تھے ـــــــ اور حضرت سعیدؓ بہت بڑھے تھے ـــــ ان کی عمر کربلا میں کوئی نوّے سال کے قریب تھی ـــــ اور جب دن کے ایک بجے تک کربلا میں شہادت کا بازار گرم رہا۔ اور چند آدمی باقی رہ گئے ـــــ اس وقت یہ حبیبؓ اور سعیدؓ سامنے آئے مولاؑ کے۔ اور عرض کی

"مولاؑ !

ظہر کا وقت ہے۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ یہ آخری نماز حضورؑ کی جماعت کے ساتھ پڑھیں ـــــ"

آپؑ نے فرمایا

"خدا تمہیں جزائے خیر دے۔ تم نے اس وقت نماز کو یاد کیا ہے ـــــ تم اس فوج کو کہدو! کہ ذرا دیر کے لیئے ٹھہر جائے۔ تاکہ ہم آرام سے نماز پڑھ لیں"

اور حبیبؓ نے یہ بات کہی جا کے ـــــ اس فوج نے کوئی گستاخانہ جواب دیا ـــــ اور حبیبؓ تو وہیں شہید ہو گئے

سعیدؓ نے آ کے کہا

"مولاؑ !

حبیبؓ تو شہید ہو گیا ـــــ میں موجود ہوں ـــــ آپؑ نماز شروع کریں ـــــ آپ کے سامنے کھڑا ہوں ـــــ آپؑ نماز شروع کریں ـــــ اور جب تک نماز ختم نہیں ہو گی۔ میں آپؑ تک کوئی تیر نہیں آنے دوں گا ـــــ"

سامعین! نوّے برس کا بڈھا آدمی۔ سعیدؓ کھڑا ہو گیا حضورؑ کے سامنے ـــــ اور نماز شروع ہو گئی ـــــ جو تیر اُدھر سے آتا۔ سعیدؓ اُسے اپنی بڈھی پسلیوں پہ روک دیتا۔ پسلیاں ٹوٹ گئیں ـــــ تیر گھس گئے سینے میں ـــــ اور ادھر امامؑ نے سلام پھیرا ادھر یہ گود میں جا گرا ـــــ اور گر کے گود میں پوچھا ہے "هل وفيتُ . ابن رسول الله

"اے رسولؐ کے بیٹے! آپ میری اس کارگزاری سے خوش ہیں؟"

تو امامؑ نے جواب میں یہ فرمایا

"یا سعید! انتَ امامی فی الجنہ۔

"سعید! انشاء اللہ جنّت میں تو میرے آگے آگے چلے گا ــــــــ"

قیامت کے دن جب میں جنّت میں جاؤں گا ــــ تو تُو میرے آگے آگے چلے گا ــــ

اور جب میں ناناؐ کے، باباؑ کے سلام کو جاؤں گا تب بھی تُو میرے آگے آگے ہوگا" ــــــ

تو سعیدؓ کیا التجا کرتا ہے

"مولاؑ! اگر یہ بات ہے۔ تو میری ایک گذارش ہے ــــ کہ میرے بدن سے تیر نہ نکالنا ــــ

میں تیرے ناناؐ اور باباؑ کے سامنے اسی طرح جانا چاہتا ہوں ــــ"

اور یہ کہہ کے موت کا پسینہ آگیا ــــ آخر بڈھا آدمی تھا۔ اُسی موت کے پسینے میں کہتا ہے

"مولاؑ!

کسی نے میرا سر لیا ہے گود میں ــــ مجھے بڑا آرام مل رہا ہے ــــــ"

تو امامؑ فرماتے ہیں

"سعیدؓ!

میرا سلام کہو ــــ یہ میرے نانا رسولؐ اللہ ہیں۔"

"مولاؑ!

کوئی میرے بازو دبا رہا ہے ــــ مجھے بڑا آرام مل رہا ہے ــــ"

مولاؑ نے فرمایا

"سعیدؓ! یہ میرے بابا حیدر کرارؑ ہیں۔"

"قبلہؑ! کوئی میرے سینے پہ ہوا جھل رہا ہے ــــ"

تو امامؑ نے فرمایا

"یہ میرے بھائی حسنؑ ہیں ————"

اور سنو گے بھئی آخری فقرہ!

سعیدؓ نے کہا

"مولا کوئی میرے پیروں کے قریب بھی ہے ————"

تو امامؑ نے فرمایا

"سعیدؓ! ذرا پیر ہٹا لے ———— یہ میری "اماں" آ گئی ہیں ————"

اسے کہتے ہیں قبلہ! معرفتِ امامؑ

اسے کہتے ہیں امامؑ کا پہچاننا ——

اللہ آپ کو، مجھے، سب کو وہ نظر عطا فرمائے جس سے ہم اپنے امامؑ کو، اپنے آقا و رہبر کو، اپنے مولاؑ و سردار کو، اپنے پیر کو پہچان سکیں۔

"بحق محمدؐ و آلِ محمدؐ۔ ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم"

"اللھم صلی علیٰ محمدؐ و آلِ محمدؐ"

~•:•~

آلِ محمدؐ!

تمہارا قصور صرف یہی ہے کہ تم اتنے اچھے کیوں ہو۔

(خطیبِ آلِ محمدؐ)

شامِ شہیداں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

سیّدزادو!

آج تم اپنے گریبان چاک کر کے زمین پہ بیٹھ جاؤ۔ آج سیدانیاں سر کھول کے زمین پر بیٹھ جائیں۔ آج کی رات ہمارے گھروں میں روشنی نہیں جلنی چاہیے آج حسینؑ کی زندگی کی آخری رات ہے۔ کل اس وقت دنیا میں حسینؑ نہیں ہوگا۔

"مولا تیری غربت کی حد ہو گئی۔ آج رات بھی تو نے مانگ کے لی ہے۔

مولاؑ! ہم نے تیرا جلوس نکالا۔ بازاروں میں ماتم کیا۔

مولاؑ! ہم اللہ کو گواہ کر کے کہتے ہیں کہ ہمیں اپنا وطن عید کو یاد نہیں آتا۔ مگر جب محرم کا چاند دیکھتے ہیں تو اپنا وطن یاد آجاتا ہے۔

مولاؑ! آج جب ہم تیرا جلوس لے کر آ رہے تھے تو سوچا جلوس کہاں لے جائیں! آخر عقل نے کہا۔

"آج کہیں نہیں جانا۔ آج خیمۂ سادات کے سامنے بیٹھ جانا ہے"

بھائیو!

آج نویں محرم کو سادات کا خیمہ آباد ہے۔ بیٹی کے پاس باپ موجود ہے۔ بہن کے پاس بھائی موجود ہے۔ بیوی کے پاس شوہر موجود ہے اور عزیزوں کے پاس عزیز موجود ہیں۔ گویا آج شہیدوں کی رات ہے اور کل رات جو آئے گی وہ غریبوں کی رات ہوگی۔ —— لہٰذا میں آج آپ کے سامنے مجلس پڑھنے نہیں آیا ہوں بلکہ پوچھنے آیا ہوں کہ آپ لوگ اس طرح زمین پہ کیوں بیٹھے ہیں۔ تمہارے سر کیوں ننگے ہیں۔ تمہارے گریباں کیوں چاک ہیں۔ تم ماتم کیوں کر رہے ہو۔ تم پہ کیا گزری؟

بھائیو!

میں تو یہ کہنے آیا ہوں کہ نہ ہمارا کوئی جوان رہا نہ بچہ۔ نہ ہمارے بوڑھے رہے۔ نہ ہمارا گھر رہا — لوگوں نے ہمارے کپڑے کے گھر بھی جلا دیئے۔ آج ہمارا بھرا ہوا گھر تباہ ہو گیا۔ آج ہم زمین پہ بیٹھے ہوئے گریہ کر رہے ہیں۔

سامعین!

تم سب مل کر ایک دفعہ آواز دو ——

حسینؑ

کربلا والے حسینؑ!

شہنشاہ حسینؑ!

تیرے دروازے پہ بھکاری حاضر ہوئے ہیں حسینؑ!

نو دن تک تیرا ماتم کیا ہے حسینؑ!

آج تیرے ماتم کو الوداع کہنے آئے ہیں حسینؑ!

حسینؑ! تیری مہمانی نہ کر سکے — دل بھر کے تیری عزاداری نہ کر سکے۔

حسینؑ اگر زندہ رہ گئے تو اگلے سال پھر یہ غم منائیں گے — اگر مر گئے تو ——

مولاؑ! یہ ہمارا آخری سلام قبول فرما۔

مولاؑ! ہماری پریشانیاں رفع فرما

مولاؑ! ہمارا ملک محفوظ رہے — مولاؑ کو تو ہم نے پکار لیا ہے۔ اب ایک آواز اور دو۔

• بی بی زینبؑ! آج شام شہیداں ہے۔ تیری پریشانی پہ ہماری جان قربان۔

بی بی! آج شام ہی سے تُو نے چادر نہیں اوڑھی۔

بی بی! ہماری عورتیں، ہمارے بچے تیری پریشانی پہ قربان ہیں

ہم سب تجھے پُرسا دینے آئے ہیں۔

(خصوصاً چھوٹے بچے مِل کے پُکاریں)

• بی بی سکینہؑ! تمہارے غلام حاضر ہیں۔

کل صبح تُو یتیم ہو جاؤ گی سکینہؑ!

آج دل بھر کے باپ سے مل لے سکینہؑ!

ہمارے ماں باپ تیری یتیمی پہ قربان ہیں سکینہؑ!

بس بھائیو!

میں اپنی گفتگو ختم کرتا ہوں کہ

یوم عاشور۔ جب تمام عزیز و اقارب جام شہادت پی چکے تو حسینؑ بیت الشرف میں تشریف لائے۔ زہراؑ کا چاند۔ چہرے پہ کربلا کی گرد۔ دل میں عزیزوں کے درد سے بھرائی آواز میں کہہ رہا ہے۔

• زینبؑ!

آج تمہارا بھائی تم سے جُدا ہو کے رُخصت ہو رہا ہے۔

بہن! مجھے گلے مل کے رخصت کرو۔ اور دعا کرو کہ خدا مجھے اتنی

طاقت دے کہ میں اس مقصد کو جس کے لئے مجھے میرے
بچپن ہی سے پالا تھا۔ نانا نے کاندھے پہ سوار کیا تھا۔ باپ
سینے پہ سلایا تھا۔ آج اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے خدا مجھے توفیق
دے۔ خدا حافظ بہن! میں جا رہا ہوں "

سکینہؑ نے عبا کا دامن پکڑ لیا۔

" بابا! آپ وہاں جا رہے ہیں جہاں صبح سے جو گیا ہے واپس نہیں
آیا۔ اگر آپ آج رات کو واپس نہ آئے تو بابا جان! سکینہؑ کس
کے پاس سوئے گی!

" بیٹیا! تم آج رات سے اپنی اماں کے پاس سونا"

بابا! اماں کے پاس تو چھوٹے بھائی علی اصغرؑ سوتے ہیں۔ میں کیسے سوؤں گی؟

" نہیں۔ میرے لال! آج سے علی اصغرؑ میرے پاس سویا کرے گا۔ تم اپنی اماں کے
پاس سو جایا کرنا۔ اور دیکھنا بیٹیا! ضد نہ کرنا۔ بیمار بھائی کے ہاتھ بندھے ہوں گے
پھوپھیاں مجبور ہوں گی مگر تم آرام سے زمین پر سو جایا کرنا "

" اچھا زینبؑ!

خدا حافظ۔ میں جا رہا ہوں "

شبیرؑ برآمد ہوئے یوں خیمے کے در سے
جس طرح نکلتا ہے جنازہ کسی گھر سے

شہادتِ عظمیٰ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضراتِ گرامی!

آج کی مجلس کا افتتاح کرنے کے لئے بجائے درود و سلام کے سب حضرات متفق آواز سے ایک دفعہ کہہ دیں۔ "اِنّا لِلّٰہ و اِنّا الیہ راجعون"

میرے محترم سامعین!

آج میرے ذمّے یہ فرض عائد کیا گیا ہے کہ میں آپ کے سامنے مقصدِ شہادتِ عظمےٰ بیان کروں ۔ لہٰذا میں آپ کے سامنے اور خدا اور رسولؐ کے حضور میں اقرار کرتا ہوں کہ یہ موضوع وہ ہے جسے اللہ یا اللہ کا رسولؐ بیان کر سکتا ہے۔ شہادتِ عظمیٰ بیان کرنا میرے بس سے باہر کی بات ہے۔ سمندر کو قطرے میں سمونا۔ دریا کو کوزے میں بند کرنا۔ اور کائنات میں پھیلی ہوئی حقانیت کو چند لفظوں کی قید میں لانا میرے امکان کی بات نہیں ہے ۔ بہرنوع اُس روایتی بڑھیا کی طرح جو اپنا کاتا ہوا سوت لے کر خریدارانِ یوسف میں شامل ہو گئی تھی۔ میں بھی حسینؑ کے نام لیواؤں میں نام لکھوانے کے لئے حاضر ہو گیا ہوں۔

میرے بزرگو!

یاد رکھو! جس نظام کا نام اسلام ہے۔ جس ضابطے کا نام اسلام ہے۔ جس آئین کا نام اسلام ہے۔ جس قانون کا نام اسلام ہے۔ انسانی زندگی کے جس پروگرام کا نام اسلام

جو ہماری زبان پر ہر وقت رائج ہے۔ جسے ہم ہر وقت اپنے ساتھ وابستہ کئے ہوئے ہیں۔ اس اسلام نے اقتدارِ اعلیٰ، حاکمیت اور مالکیت اللہ کے لئے مخصوص کر دی ہے۔ گویا۔

اسلامی ضابطے میں مالک ہے "اللہ"

حاکم ہے "اللہ"

سلطنت ہے اللہ کی

حکومت ہے اللہ کی

بادشاہت ہے اللہ کی — گویا۔

اللہ اور صرف اللہ کی حاکمیت کے اقرار کو اسلام کہتے ہیں۔

سامعین! ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء تشریف لائے اُن کا اقتدار۔ ان کی طاقت و قوت ایسی تھی جن کے سامنے ساری دنیا سرنگوں تھی۔ بتائیے موسیٰؑ کے عصا کے سامنے فرعونی طاقت کا سر جھک گیا تھا یا نہیں؟

ابراہیمؑ نے آگ کو گلزار بنا کر نمرودی نخوت کو شکست دے دی تھی یا نہیں؟ عیسیٰؑ نے مُردے جلا کر اپنے زمانے کے زندہ مخالفوں کے دِل کے چراغ بجھا دیئے تھے یا نہیں؟ اور محمدؐ نے معجزے دکھا کر ابو جہل جیسوں کی جہالت کو ملیا میٹ کر دیا تھا یا نہیں؟ ہر نبی نے اپنے اقتدار سے تمام دنیا سے کلمہ پڑھوایا تھا یا نہیں؟ — مگر کسی نبی نے یہ نہیں کہا کہ "میں مالک ہوں" بلکہ ہر ایک یہی کہتا رہا۔ "میں مالک کا نمائندہ ہوں" یہاں تک کہ ختم الانبیاءؐ کے بعد حکومتیں آئیں۔ سب سے پہلے اسلامی حکومتوں نے اپنے حاکم کے لئے لفظ "خلیفہ" تجویز کیا۔ گویا اس سے پہلے لفظ "خلیفہ" انسانی لغت میں تھا ہی نہیں یہ لفظ اسلام نے پیش کیا ہے۔ خلیفہ کے معنیٰ یہ ہیں کہ حاکم کوئی اور ہے یہ صرف نمائندہ ہے۔ مالک کوئی اور ہے۔ یہ شخص صرف سربراہ ہے لہٰذا خلیفہ کو مالکیت حاصل نہیں تھی

اور رسولؐ کا وہ آخری خطبہ جس میں آپؐ نے فرمایا تھا۔

"آج قیصر و کسریٰ کی حکومتیں میرے پیر کے نیچے ہیں اب ملوکیت کا راج ختم ہو گیا ہے۔ اب حاکمیت ختم ہو گئی ہے۔ اب سوائے اللہ کے کوئی مالک نہیں ہے۔"

اس نظریہ سے مسلمان زندہ تھا۔ اسلام زندہ تھا۔

محترم سامعین!

ہو سکتا ہے کہ الفاظ کی کوتاہی میرے اُس مقصد کو واضح نہ کر سکے جو میں کہنا چاہتا ہوں۔ مگر آپ کا علم و ذہن میری کہی ہوئی بات کو خود ٹھیک کرے گا۔ رسولؐ فرما کر چلے گئے۔ اب رسولؐ کے بعد آنے والوں نے لفظ "خلیفہ" سے یہ بتا دیا کہ بتانے والا کوئی اور ہے۔ ہم صرف اُس کے نمائندہ ہیں۔ گویا جب تک خلافت اپنی سربراہی کا اعلان کرتی رہی "راشدہ" کہلائی۔ ہدایت یافتہ کہلائی — اور جب خلافت نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ "ہم بھی کچھ ہیں" تو وہ خلافت "راشدہ" نہ رہی بلکہ "ملوکیت" بن گئی۔

حضورِ والا! زمانے کا انقلاب کہو یا دنیا کی گردش کہو کہ شام کے ملک (دمشق) میں ایک البیلا نوجوان تختِ شاہی پہ بیٹھ گیا۔ اُس نے اپنے باپ کے تخت پہ قدم رکھا۔ وہ اپنے آپ کو کسی کا احسان مند نہیں سمجھتا۔ تخت کو اپنے باپ کا مال سمجھ کے بیٹھا ہوا ہے۔ جوانی کی عمر۔ شعر و شراب میں پلا ہوا شہزادہ۔ بے شمار سلطنت۔ بے اندازہ دولت کروڑوں انسان حضور بسرکار کہنے والے۔ خزانہ اشرفیوں سے بھرپور۔ فوج کا جائزہ لیا تو بیشمار سپاہی۔ اسلحہ کا جائزہ لیا تو بے تعداد اسلحہ۔ اور اپنی رعایا کی مردم شماری کرائی تو اُس زمانے کی بارہ کروڑ آبادی اس کی رعایہ تھی جو اُسے اعلیٰ حضرت، ظلِّ سبحانی، جہاں پناہ، جی حضور، جی سرکار کہنے والے موجود تھے۔

اب بتاؤ! جب بارہ کروڑ انسان اُسے جہاں پناہ، جی حضور، کہہ رہا تھا تو اگر اُس کے

دماغ میں غرور پیدا ہو بھی جائے تو ممکن ہے اگر کسی اور کو یہ اسباب فراہم ہوتے تو وہ بھی مغرور ہو جاتا۔ گویا یزیدؔ بھی مغرور ہو گیا۔

اُس نے کہا "آج بارہ کروڑ انسان مجھے جہاں پناہ مان رہے ہیں۔ میرے پاس دولت ہے۔ خزانہ ہے۔ کوئی ایسا بھی ہے جو مجھے نہیں مانتا؟"

یزیدؔ کو بتایا گیا کہ ایک شخص ہے جو تمہیں اور تمہاری حاکمیت کو نہیں مانتا۔!

یزیدؔ نے پوچھا۔ کیا اُس کے پاس مجھ سے زیادہ فوج ہے؟

"نہیں"

"مجھ سے زیادہ خزانہ ہے؟"

"نہیں"

"مجھ سے زیادہ اسلحہ ہے؟ — "نہیں"

"پھر وہ کون ہے"؟

"ایک مزدور باپ کا مزدور بیٹا۔ چکی پیسنے والی ماں کا ایک بچہ۔ پیوندوں کا لباس پہننے والا ایک فقیر۔ بوریا پہ بیٹھنے والا ایک قلندر۔ نانے کی قبر پہ چراغ جلانے والا ایک مجاور۔ وہ مجھے تسلیم نہیں کرتا۔"

یزیدؔ نے کہا "نہیں۔ اس سے ہماری حکومت کی اطاعت قبول کروائی جائے اور ہماری بیعت لی جائے۔

حضرات! اگر بارہ کروڑ انسان کسی شخص کی بیعت کرلیں (اُس زمانے میں بیعت وہی شے تھی جو اس زمانے میں ووٹ ہے) اگر کسی کو بارہ کروڑ ووٹ مل جائیں اور ایک آدمی کا ووٹ نہ بھی ملے تو اُسے کوئی پرواہ نہیں ہوتی — مگر بارہ کروڑ ووٹ لینے کے بعد ایک انسان کے ووٹ پہ ضد کر کے یزیدؔ نے یہ نادانستہ طور پر بتا دیا کہ بارہ کروڑ ایک طرف اور یہ اکیلا ایک طرف ہے۔ گویا اس اکیلے میں اتنا وزن ہے کہ اگر اس نے ہاں نہ کہی تو

یہ بارہ کروڑ ناکام ہو جائیں گے۔ پوری دنیائے اسلام کا فیصلہ ایک طرف ہے اور اس اکیلے کا فیصلہ ایک طرف ہے۔

محترم سامعین! یزید کا اعلان یہ نہیں تھا "میں خلیفہ ہوں"۔

اگر یہی اعلان ہوتا تو کوئی بات ہی نہیں تھی۔ مگر یزیدؔ کا اعلان یہ تھا کہ "میں مالک الملک ہوں"۔

اب بتائیے۔ رسولؐ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پلنے والا حسینؑ! حیدرِ کرار کی گود میں پلنے والا حسینؑ! فاطمہؑ کا دودھ پینے والا حسینؑ! جبرئیل کے پروں پہ سونے والا حسینؑ! اللہ سے نازبرداری کرنے والا حسینؑ! جنت سے لباس منگوا کر پہننے والا حسینؑ! جنت کے میوے کھا کر پلنے والا حسینؑ!

اللہ کے ہوتے ہوئے کسی اور کا مالک ہونا برداشت کرے گا؟ "نہیں"

اُدھر اللہ کہتا ہے۔ "اللھم مالک الملک" صرف اللہ مالک ہے۔

اِدھر یزید مسخرہ کہتا ہے "نہیں، میں مالک ہوں"

حضرات! آپ دانشوروں سے پوچھ رہا ہوں۔

اللہ کہتا ہے ــ "میں مالک الملک ہوں" مگر یزید کہتا ہے ــ "نہیں، میں مالک الملک ہوں"۔

اب بتاؤ ــ مقابلہ کس کا ہو گیا؟ اللہ اور یزیدؔ کا۔

اگر یزیدؔ کہتا

"میں فرزندِ رسولؐ ہوں۔ میں امام معصوم ہوں" تب تو یزیدؔ کا حسینؑ سے مقابلہ تھا۔ مگر یزیدؔ براہِ راست کہتا ہے "میں مالک الملک ہوں"۔

ــ معلوم ہوا کہ یزیدؔ کا مقابلہ براہِ راست اللہ سے ہے ــ اب اگر اس مقابلے میں یزیدؔ جیت جائے تو ہارے گا کون؟

• ابلیس۔ اور اگر یزید ہار جائے تو جیتے گا کون ؟

• اللہ۔ گویا ہار جیت ہے اللہ اور یزید کی۔

حسینؑ کا تو یزید سے مقابلہ ہی نہیں تھا۔

اللہ نے کہا۔

• یہ روز کا جھگڑا ہے۔ کبھی فرعون مسخرہ میرے سامنے آ بیٹھتا ہے۔ کبھی نمرود مسخرہ میرے مقابل آ بیٹھتا ہے۔ کبھی ابلیس میرے مقابلے میں آ جاتا ہے۔ آج میں اس روز روز کے جھگڑے کو ختم کرنا چاہتا ہوں۔

اللہ نے کہا۔

سن یزید ! اگر تم مالک الملک ہو تو اپنے مالک ہونے کا ثبوت لے کر کسی میدان میں آ جاؤ۔ اِدھر میں ثبوت لے کر آؤں گا کہ میں مالک الملک ہوں۔

گویا یزید اپنے مالک الملک ہونے کا ثبوت لے کر بطور گواہ میدانِ کربلا میں آ گیا۔

• اللہ ! دیکھ لے ۔ میں مالک ہوں۔

میری فوج دیکھ ۔ میں مالک ہوں

میرا اسلحہ دیکھ ۔ میں مالک ہوں

میری سلطنت کی سطوت دیکھ ۔ میں مالک ہوں۔

اب جو یزید نے یہ کہا تو اللہ نے آواز دی۔

• ہے کوئی اس بھری دنیا میں جو میرے مالک ہونے کی گواہی دے۔ مگر یہ سوچ لے کہ مدعی اللہ ہے۔ لہٰذا گواہ کوئی کم حیثیت کا نہ ہو۔

اُدھر اللہ نے اعلان کیا کہ

• ہے کوئی جو میرے مالک الملک ہونے کی گواہی دے ؟

اِدھر سردارِ جوانانِ جنت کو جوش آ گیا۔

حسینؑ نے کہا۔

"خداوندا۔ میں گواہی دوں گا کہ تُو مالک الملک ہے۔ میں گواہی دوں گا کہ ملکیت تیری ہی ہے۔ میں دنیا کو بتاؤں گا کہ یزید مسخرہ جبر شاہانہ ہے۔"

اللہ نے کہا۔

"حسینؑ! اگر تم واقعتاً گواہی دینا چاہتے ہو تو دیکھو!

میدانِ کربلا عدالت گاہ بن چکا ہے۔ یزید اپنے گواہ لے کر آگیا ہے۔"

حسینؑ! تم بھی اپنے گواہ لے کر آؤ اور میرے مالک الملک ہونے کی گواہی دو۔"

چنانچہ حسینؑ اپنے گواہ لے کر کربلا کے لئے روانہ ہوگیا۔ جتنی دستاویزیں اپنی گواہی کے لئے ضروری تھیں۔ وہ بھی ساتھ لے کر مدینے سے چل پڑا۔

سامعین!

بتاؤ۔ حسینؑ مدینے سے کربلا کی طرف کیوں چل پڑا۔

لڑنے کے لئے؟۔ "نہیں"۔ مرنے کے لئے؟۔ "نہیں"۔ کسی کو مارنے کے لئے؟۔ "نہیں" کسی کا ملک چھیننے کے لئے؟۔ "نہیں"۔ کسی کی سلطنت چھیننے کے لئے؟۔ "نہیں"

پھر بتاؤ۔ کیوں جا رہا تھا!

حسینؑ، خدا کے مقدمے میں گواہی دینے کے لئے جا رہا تھا۔ بلکہ یوں کہئیے "حسینؑ کربلا میں "شہادت" کے لئے جا رہا تھا" چونکہ شہادت کے معانی گواہی دینا ہے لہٰذا حسینؑ کربلا میں اللہ کے مالک الملک ہونے کی گواہی دینے کے لئے جا رہا تھا۔

حسینؑ! کربلا کیوں جا رہے ہو؟۔

شہادت کے لئے۔ میری گواہی پر اللہ مالک الملک ہے۔"

اسی لئے حسینؑ کے جلوس نکلتے ہیں تاکہ اللہ کے مالک الملک ہونے کی گواہی تازہ ہوتی رہے۔ جو اس جلوس کو روکے گا۔ گویا اللہ کی مالکیت کو روک رہا ہے۔ بہرحال حسینؑ اللہ کے مالک الملک ہونے کی گواہی دینے کے لئے جو دستاویزیں گواہی میں ضروری تھیں، وہ بھی ساتھ لے کر کربلا میں تشریف لا رہے ہیں۔

حسینؑ نے بہن کو آواز دی۔

زینبؑ! تم بھی چلو۔"

حسینؑ!

میں عورت ذات۔ تم عدالت میں گواہی دینے جا رہے ہو۔ مجھے کیوں ساتھ لے جا رہے ہو؟۔

حسینؑ نے کہا۔

" زینبؑ! جب کربلا میں، میں مقدمہ جیت جاؤں گا۔ اللہ کی مالکیت منواؤں گا۔ اور یزید ہار جائے گا تو تم شام میں جا کر یزید کی حکومت کے خلاف ڈگری کا اجراء کروا کے اس کی حکومت کو نیلام کروا دینا۔ تم یزید کی شہنشاہی کو گالی بنا دینا۔"

چنانچہ بہن بھی ساتھ چل پڑی۔ گواہ بھی ساتھ چل پڑے اور اللہ کے مالک الملک ہونے کی شہادت دینے والا کربلا میں تین محرم کو آکے بیٹھ گیا۔ تین سے لے کر سات تک مقتل کا معائنہ کرتا رہا۔ سات سے اتنا مشغول ہوا کہ نہ کھانے کی فرصت نہ پینے کا ہوش۔ دسویں کو مقدمہ پیش ہو گیا۔ حسینؑ نے گواہی دینا شروع کر دی۔ ایک ایک دستاویز گواہی میں پیش کرتا رہا۔

" خدا یا۔ تیرے مالک الملک ہونے کی گواہی میں میرا اکبرؑ موجود ہے۔ میرا قاسمؑ موجود ہے۔ میرا بھائی عباسؑ موجود ہے۔ میرا فرزند دو مہینہ کا بچہ بھی موجود ہے ——

یہ سب گواہی دیں گے۔ ان کی شہادت ہوگی۔

سامعین!

جب اکہتر شہادتیں ہو چکیں تو خدا مقدمہ جیت گیا۔

"حسینؑ! میں مقدمہ جیت گیا ہوں۔ تیری ساری گواہیاں قبول ہو چکی ہیں۔ اب میری حاکمیت مستحکم ہو گئی ہے۔"

حسینؑ نے کہا "خداوندا جیت گیا؟"

"ہاں جیت گیا۔"

"خداوندا۔ تیرے دربار میں شہادت دینے کے لئے اب میں خود آرہا ہوں۔"

حسینؑ بیت الشرف میں تشریف لائے۔ بہن کو سلام کیا۔

بہن زینبؑ: سلام

زینبؑ نے جواب دیا "حسینؑ! سلام

زینبؑ! مبارک"

"حسینؑ! خیر مبارک"

بہن! میری تمام گواہیاں قبول ہو گئیں۔ میرا عباسؑ بھی منظور۔ قاسمؑ بھی منظور اکبرؑ بھی منظور۔ میرا نووارد مہمان حُرؑ بھی منظور۔ میرے دوست بھی منظور۔

بہن! میں تو مقدمہ جیت گیا ہوں۔ اسلام کامیاب ہو گیا ہے۔"

زینبؑ نے پوچھ لیا۔

"حسینؑ! اسلام نے تجھے کیا انعام دیا ہے؟

حسینؑ نے جواب دیا۔" اسلام نے مجھے یہ انعام دیا ہے کہ" حسینؑ تو نے اللہ کو مالک منوا کے اسلام کی عظمت رکھ لی۔ اب اسلام کا تجھ سے یہ وعدہ ہے۔

"حسینؑ! یاد رکھو! اسلام تجھ سے وعدہ کرتا ہے۔

جس دل میں حسینؑ ! تو نہیں ہوگا وہاں میں نہیں ہوں گا۔

جس گھر میں حسینؑ ! تو نہیں ہوگا وہاں میں نہیں ہوں گا۔

جس علاقے میں حسینؑ تو نہیں ہوگا۔ وہاں میں نہیں ہوں گا۔"

"اسلام نے تو مجھ سے یہ وعدہ کیا ہے"

زینبؑ نے پوچھا۔

"حسینؑ ! خدا تمہیں کیا انعام دے گا؟

بہن ! اپنا انعام لینے کے لئے خدا کے دربار میں میں خود جارہا ہوں۔

بہن ! سجدے کے بل جاؤں گا۔

زینبؑ ! اتنے بڑے دربار میں جانا ہے۔ خالی ہاتھ جاتے ہوئے شرم آتی ہے۔ کوئی تحفہ لے جانا چاہتا ہوں۔

زینبؑ بہن ! کوئی تحفہ ہے تیرے پاس -؟

زینبؑ نے کہا ۔ حسینؑ ! میرے پاس تو دو لعل تھے وہ ختم ہو گئے۔"

"قاسمؑ کی ماں ! تیرے پاس کوئی تحفہ ہے؟

"حسینؑ ! میرے پاس تو ایک ہی زمرد تھا جو ختم ہوگیا۔"

"اکبرؑ کی ماں ! تیرے پاس کوئی تحفہ ہے؟

"حسینؑ ! میرے پاس تو ایک ہی شب چراغ تھا وہ بھی ختم ہوگیا۔"

حسینؑ ابھی پوچھ ہی رہے تھے کہ ایک کونے سے آواز آئی۔

"حسینؑ ! ہیرے کی ایک چھوٹی سی کنی میرے پاس ہے۔ اگر تحفہ کے لئے کام آئے تو لے جاؤ -"

چنانچہ حسینؑ نے چھ مہینے والے کو ہاتھ پہ اٹھالیا۔

"خداوندا۔ شہادتیں تو ہو چکیں۔ اب یہ تحفہ لایا ہوں۔"

چنانچہ اللہ کے حضور میں حسینؑ نے تحفہ پیش کر دیا ۔ دفن کر کے گھر آئے ۔ بہن نے پوچھا

• حسینؑ ! تمہارا تحفہ منظور ہوا ؟

• ہاں بہن ! میرا تحفہ بھی منظور ہو گیا ؟

بہن ! اب میں خود جا رہا ہوں ۔ ذرا مجھے اپنے ہاتھ سے لباس بھی پہنا دے ؟

سامعین !

ایک مغالطہ وردِ زبانِ عام ہے جسے میں دور کرنا چاہتا ہوں ۔ ہمارے ذاکرین اکثر یہ پڑھتے ہیں کہ حسینؑ نے زینبؑ سے کہا ۔

• بہن مجھے پرانے کپڑے پہنا دو ۔

حالانکہ غلط ہے ۔ خدا کی قسم ! میں نے کربلا کی ساری تاریخ پڑھ ڈالی مگر کہیں نہیں پڑھا کہ حسینؑ نے پرانے کپڑے پہنے ہوں ۔ بلکہ میں نے تو یہ پڑھا ہے کہ حسینؑ نے کہا ۔

• زینبؑ ! آج میں پرانے کپڑے نہیں پہنوں گا ۔ آج میں شہنشاہ بن کے جا رہا ہوں مجھے آج بہترین لباس پہنا دو ۔

چنانچہ نانا کے معراج والا عمامہ حسینؑ نے سر پہ باندھا ۔ اپنی اماں کی چادر سے کمر باندھی ۔ جعفرِ طیار کی شمشیر کمر سے لگائی ۔ حمزہؑ کی زرہ پہنی ۔ حیدرِ کرار کی تلوار لٹکائی اور حسنؑ مجتبےٰ کے نعلین پہنے ۔ گویا آج حسینؑ نے بزرگوں کا لباس زیبِ تن فرمایا اور بہن سے کہا ۔

• زینبؑ خدا حافظ ! اب میں جا رہا ہوں ۔ " چنانچہ سر سے پیر تک بزرگوں کا لباس تھا اس لئے زینبؑ نے جو اُس وقت تاریخی فقرے کہے ہیں وہ آج تک فضا میں گونج رہے ہیں ۔

جب حسینؑ اپنے بزرگوں کا لباس پہن کر چلے تو زینبؑ نے کہا ۔

• بی بیو ! آؤ ۔ دیکھو ۔ آج میرے نانا رسول اللہ جا رہے ہیں ۔ آج میرے بابا حیدرِ کرار جا رہے ہیں ۔ آج میری اماں فاطمہؑ رخصت ہو رہی ہے ۔ آج بھائی حسنؑ جا رہے

آج میرے سارے بزرگوں کا سایہ میرے سر سے اُٹھ رہا ہے۔"

بہر نوع! حسینؑ میدان میں تشریف لائے۔

مولاؑ جس وقت فوج کے سامنے پہنچے ہیں تو اُس بے حیا فوج نے طنز کیا۔

"حسینؑ! اب تو بالکل تنہا ہے۔ تیرے سارے عزیز مر چکے ہیں۔ اب ہمیں کیوں تکلیف دیتا ہے۔ گھوڑے سے نیچے اُتر آؤ۔ تاکہ جلدی تیرا خاتمہ کر کے جنگ ختم کی جائے۔"

اب جو فوج نے یہ طنز کیا تو حیدرِ کرار کی بیٹی کو جوش آگیا اور وہیں دروازے سے آواز دی۔

"حسینؑ! یہ تجھے مجبور سمجھتے ہیں۔ زینبؑ چاہتی ہے، ذرا تھوڑی دیر کے لئے میری اماں کے دودھ کی طاقت بھی دکھا دے۔"

حسینؑ نے جواب دیا۔

"اچھا بہن! اگر تیری یہی مرضی ہے تو ایسا ہی ہوگا۔"

چنانچہ حسینؑ نے بسم اللہ کہہ کے تلوار نکالی۔ نخلیہ تک فوج کو بھگاتے ہوئے پہنچے تو فوج کا پچھلا دستہ کوفے کے بازاروں سے ٹکرایا اور جب حسینؑ گھوڑا دوڑاتے ہوئے نخلیہ سے واپس کربلا آئے تو ایک بلند ٹیلے پہ چڑھ کے بلند آواز سے کہتے۔

"یا ایھا الناس! انا ابن رسول اللہ!

لوگو! میں رسولؐ کا بیٹا ہوں"

زینبؑ فوراً جواب میں کہتی ہیں۔ "مرحبا یا ابن رسول اللہ!

"شاباش۔ اے رسولؐ کے بیٹے۔"

بہر نوع! حسینؑ نے اس شان سے تین حملے کئے اور حملوں کا انداز یہ تھا کہ

آنسو نکل آئے جسے دم توڑتے دیکھا
تلوار نہ ماری جسے منہ موڑتے دیکھا

فرزندِ رسولؐ نے اس طرح جہاد کیا۔ دورانِ جہاد اللہ کی طرف سے غائبی آواز آگئی۔

"حسینؑ! شجاعت دنیا نے دیکھ لی۔ اب آجا ہمارے پاس۔

اے نفسِ مطمئنہ! آجا ہمارے پاس۔"

حسینؑ نے گھوڑے کی باگ اس کے کاندھوں پہ رکھ دی اور فرمایا۔

"ذوالجناح"!

یہ تیری میری آخری ملاقات ہے۔ اب میں اللہ کے ہاں جا رہا ہوں۔

آؤ تیرو — آجاؤ

دشمن کی تلوارو — آجاؤ

دشمن کے نیزو — آجاؤ

امام رضا علیہ السلام کا فرمان ہے۔

"میرے جد کے زخم کوئی گن ہی نہیں سکتا۔"

مولاؑ فرماتے ہیں جتنے قرآن میں حرف ہیں اتنے ہی میرے جد کے بدن پہ زخم تھے۔

گویا اتنے زخم کھا کے جب مولاؑ زمین پہ گرنے لگے تو گھوڑے نے پاؤں جھکا دیئے۔

امامِ زمانؑ زیارتِ ناحیہ میں فرماتے ہیں۔

"میرا سلام ہو اس شہید پر جو نہ زمین پر تھا نہ زمین پر تھا۔"

لوگوں نے پوچھا۔ مولا پھر کہاں تھا۔

فرمایا "گھوڑے سے گر گیا تیروں پہ رہ گیا۔"

بہر نوع۔ حسینؑ کا بدن کافی دیر تک تیروں پہ معلق رہا۔ مولاؑ نے زور دیا تو ادھر کے تیر ادھر نکل گئے — اور

حسینؑ نے سجدے میں سر رکھ دیا۔ "سبحان ربی الاعلیٰ"

"خداوندا۔ گواہ رہنا۔ میں تیرے اعلیٰ ہونے کی گواہی دے

[illegible]

رہا ہوں۔ میں تیرے اعلیٰ ہونے کی شہادت دے رہا ہوں "

قدرت نے بڑھ کے منہ چوم لیا۔

حسینؑ!

"اب قیامت تک "سبحان ربی الاعلیٰ" جو بھی کہے گا تیرے سجدے کے صدقے میں کہے گا"

حسینؑ: تیری اس شہادت کا انعام تجھے یہ دیتا ہوں۔

" میں بھی باقی تُو بھی باقی ۔ نہ میں ختم ہوں گا نہ تو ختم ہو گا"

حسینؑ: میرا ذکر بھی قیامت تک رہے گا۔ تیرا ذکر بھی قیامت تک رہے گا۔

حسینؑ: میری اذان ہو گی تیری نوبتِ شاہی ہو گی۔

حسینؑ: جہاں جہاں میرا تذکرہ ہو گا۔ وہاں وہاں تیرا تذکرہ بھی ہو گا۔ جتنے میرے گھر ہوں گے حسینؑ۔ اتنے ہی تیرے گھر ہوں گے"

چنانچہ یزیدؔ کے خلاف ڈگری ہوئی اور امام حسین علیہ السلام نے اللہ کی طرف سے شہادتِ عظمیٰ کا انعام پایا۔ جس کی یاد آج ہم بازاروں میں جلوس کی شکل میں منا رہے ہیں۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

فلسفۂ اخلاق کی اصطلاح میں

عقل کے مطابق نقل و حرکت کرنے کو

"شجاعت"

کہتے ہیں

(خلیل جبران)

اصحابِ حسینؑ

بسم اللہ الرحمن الرحیمؕ

خداوندِ عالم کی حمد و ثنا کے بعد حضرات محمدؐ وآلِ محمدؐ پر درود وسلام

حضراتِ گرامی!

کربلا کا واقعہ آج واقعہ ہو چکا ہے۔ لہٰذا اس وقت کی یہ مجلس پورا واقعۂ کربلا پر ایک تبصرے کی شکل میں ہونی چاہیئے۔ گویا یہ سب سے اہم ترین مجلس ہے اور تمام مجالس کی روح مجلس ہے۔

محترم بزرگو! جس رسولؐ کی ہم امت ہیں اس کے لئے اللہ نے قرآن میں یہ فیصلہ کیا ہے کہ۔

"اِنَّ الّذِ یْنَ یبایعونک انما یبا یعون اللّٰہ"

جو تجھ سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں

یداللّٰہ فوق ایدیھم فمن نکث فانما ینکث علی نفسہ

جو اس بیعت کو توڑ دے گا وہ اس کا خود نقصان اٹھائے گا۔

ومن اوفیٰ بما عاھد علیہ اللّٰہ فسیوتیہ اجرا عظیمًا

اور جو اللہ سے کئے ہوئے عہد کو پورا کرے گا اللہ اُسے اَجرِ عظیم دے گا۔"

گویا اُس وقت سے لے کر آج تک ہم رسولؐ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے ہیں۔

ہم نے رسولؐ سے ایک عہد کیا ہے اور وہ عہد یہ ہے "یا رسول اللہ! ہم مسلمان ہیں۔ ہم

آپ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے ہیں۔ ہمارا آپ سے اور آپ کے واسطہ سے خدا سے
خدا سے عہد یہ ہے کہ

ہم اور ہماری ہر شے۔ ہماری جان، ہمارا مال، ہماری اولاد، ہماری ہر عزیز شے آج
سے آپ کی بیعت کرنے کے بعد ہماری نہیں رہی بلکہ اللہ کی ملکیت ہے۔"
اب اللہ یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ اس عہد کو کسی بندے نے پورا بھی کیا ہے یا نہیں۔
لہٰذا اللہ نے اعلان کیا۔ اے رسولؐ کے ساتھ عہد کرنے والو۔ میں تمہارا امتحان لوں گا۔
کیا تم اس عہد میں ثابت قدم بھی ہو یا نہیں ؟
مگر جس وقت امتحان ہو گا اس وقت تمہاری حالت یہ ہو گی کہ تم پر خوف بھی ہو گا۔
بھوک بھی ہو گی۔ پیاس بھی ہو گی۔ مال و جان کا خطرہ بھی ہو گا۔
سامعین! یہ تو تھی مختصر سی تمہید۔ اب میں پوچھتا ہوں۔ یا اللہ! تُو ہی بتا کسی نے
اس امتحان میں کامیابی بھی حاصل کی یا نہیں۔ کوئی ایسی جماعت پیدا ہوئی ہے جس نے پوری
کاملیت کے ساتھ تیرے اس امتحان کو پاس کیا ہو اور تُو نے بھی جھوم کے کہہ دیا ہو شاباش
تم جیسا کوئی پاس نہیں ہوا؟
اللہ جواب میں کہتا ہے۔

" اُن ہی مومنین میں سے ایسے بہادر مرد بھی ہیں جنہوں نے اِس عہد کو سچا کر دکھایا؟"
میرے بھائیو!
آؤ ہم سب مل کر ان بہادروں کو ڈھونڈیں جنہوں نے اس عہد کو پورا کر دکھایا ہو جن
کی ہر شے اللہ کی ہے ۔۔۔ اب جو ہم ڈھونڈنے چلے تو دنیا کے کسی خطے میں ہمیں ایسے
آدمی نہ ملے۔ آخر ڈھونڈتے ڈھونڈتے ہم کربلا کے تپتے ہوئے صحرا میں پہنچے۔ دھوپ

ذرہ ذرہ بے کل تھا۔ عرب کا صحرا تپ رہا تھا۔ آفتاب نصف النہار پر ٹھہرا ہوا تھا کہ ایک نبے صبر قافلہ ۲ محرم کو کربلا کے صحرا میں چاروں طرف لق ودق جنگل۔ بیچ میں چھوٹی سی نہر۔ اس نہر کے کنارے قافلہ اُترا۔ خیمے لگے۔ خیموں میں عورتیں جا کے بیٹھیں۔ بچے ماؤں کی گود میں بیٹھے۔ مرد خیموں سے باہر بیٹھے۔ گن کے دیکھا تو تھوڑی سی تعداد۔ ان میں بڑے بھی ہیں، جوان بھی ہیں۔ بچے بھی ہیں اور عورتیں بھی ہیں۔

• خداوندا یہ تھوڑے سے آدمی یہاں کیوں آئے ہیں؟

اللہ نے جواب دیا۔

• مجھ سے کئے ہوئے عہد کا امتحان دینے آئے ہیں۔

• خداوندا ۔۔ ساری دنیا میں یہ تھوڑے سے آدمی ہی پاس ہو سکتے ہیں؟

اللہ نے کہا :-

• تم انہیں تھوڑا نہ سمجھو۔ یہ گنتی میں تو تھوڑے ہیں مگر ساری دنیا سمٹ کے یہاں آگئی ہے:

اب جو ہم نے دیکھا تو پتہ چلا کہ تمام دنیائے انسانیت کی نمائندگی اس جماعت میں ہے۔ ان میں افریقی بھی ہے۔ یورپی بھی ہیں۔ ایشیائی بھی ہیں (اُن دنوں میں تین برّاعظم تھے) ان میں گورے بھی ہیں۔ کالے بھی ہیں۔ ان میں عرب بھی ہیں۔ ان میں غلام بھی ہیں۔ آزاد بھی ہیں۔ ان میں امیر بھی ہیں غریب بھی ہیں۔ ان میں عالم بھی ہیں، جاہل بھی ہیں۔ ان میں بڈھے بھی ہیں جوان بھی ہیں۔ ان میں بچے بھی ہیں۔ عورتیں بھی ہیں۔ غرض ہر انسانی طبقہ کی نمائندگی یہاں موجود ہے۔ گویا پوری عالم انسانیت اس جماعت میں سمٹ کے آگئی ہے ۔۔ اور ان کا قائد! سبحان اللہ!

سُنا ہے۔ اگر پارس سے لوہا ٹکرا جائے تو اُسے سونا بنا دیتا ہے۔ مگر ان پیغمبرؐ کا قائد ایسا پارس تھا کہ اس نے سونا نہیں بنایا بلکہ جو بھی اس کے ساتھ وابستہ ہو گیا اُسے بھی پارس

بنایا گیا — گویا حسینؑ نے کربلا میں بہتّر حسینؑ بنا کے کھڑے کر دیئے جو امتحان دینے کے لیے تیار ہو گئے — لہٰذا آج کا دن جس میں آپ نے ماتم کیا، جلوس نکالا، عشرہ منایا۔ آج ایک قوم اپنے عہد کا امتحان دے رہی ہے۔ بڈھے بھی ہیں، جوان بھی ہیں، بچے بھی ہیں، اپنے بھی ہیں، پرائے بھی ہیں۔ غرض سب آج امتحان دینے کے لئے تیار کھڑے ہیں — بوڑھوں میں سب سے پہلے ایک حبشی بڈھے کو پیش کرتا ہوں جن کا نام تھا جونؑ۔ پچانوے سال کا بڈھا۔ حسینؑ کے باورچی خانہ میں کام کرنے والا آج اپنے عہد کا امتحان دے رہا ہے۔ جونؑ جھکی ہوئی گردن کے ساتھ حسینؑ کے سامنے کھڑا ہوا۔

"حُسینؑ!

میں بھی چاہتا ہوں آج تیرے اوپر قربان ہو جاؤں"

حسینؑ نے سر سے پیر تک بڈھے غلام کو دیکھا اور بڑی شفقت سے فرمایا۔

"جونؑ! تُو میرے بزرگوں کی یادگار ہے۔ تُو نے میرے بزرگوں کی آنکھیں دیکھی ہیں۔ تُو بہت بوڑھا ہو چکا ہے — کسی طرف نکل جا۔"

جب امامؑ نے یہ فرمایا تو بڈھے حبشی کے منہ سے بے ساختہ نکلا

"حسینؑ ٹھیک ہے — میں نے اپنی حد سے بڑھ کر بات کہی ہے۔

حُسینؑ! کہاں میں — کہاں تیرے اُوپر قربان ہونا۔

حسینؑ! تیرے اُوپر قربان ہونیوالا تو عباسؑ جیسا ہاشمی چاہیئے۔ اکبرؑ جیسا نونہال چاہیئے۔ حبیبؓ جیسا بنی اسد چاہیئے — مگر چونکہ میں ایک حبشی غلام ہوں — میرا رنگ کالا۔ میرے خون میں بدبُو۔ میرا نسب نامعلوم — لہٰذا مجھے یہ ہمت نہیں کرنی چاہیئے تھی۔ مجھ سے گستاخی ہو گئی — حسینؑ! میں کسی طرف نکل جاؤں گا۔ مجھے درندے کھا لیں گے۔"

اب جو جونؓ نے یہ فقرہ کہا تو حسینؑ نے بڑھ کے جونؓ کا سر اپنے سینے سے لگا لیا۔

"چچا جونؓ! تو بُرا مان گیا۔ تو مجھے عباسؑ کی طرح پیارا ہے۔ مگر نہ کر تو بھی امتحان دے گا — جا۔ اپنے امتحان کی تیاری کر۔"

امامؑ کے فرمان کے بعد جونؓ کا چہرا شگفتہ ہو گیا۔ نہ کوئی اسلحہ پاس تھا۔ نہ کوئی گھوڑا پاس تھا۔ سیدھا میدان میں جا کے کھڑا ہو گیا۔

"اے بے حیا قوم! میں محمدؐ کے بیٹے کی حمایت کے لئے آیا ہوں۔"

اِدھر سے جونؓ نے یہ فقرہ کہا اُدھر سے پتھر برسے۔ بڈھی پسلیاں ٹوٹ گیئں۔ گرا آواز دی۔

"حسینؑ! میں گر گیا۔"

امامؑ پہنچے۔ سر گود میں لیا اور رخسارہ پر رخسارہ رکھ دیا۔ اب جو امامؑ نے رخسارہ پہ رخسارہ رکھا تو جونؓ کو ہنسی آگئی اور ہنس کے کہتا ہے۔

"حبیبؓ! اِدھر آؤ۔"

حبیبؓ آئے تو بڈھا حبشی مُسکرا کے کہتا ہے۔

"حبیبؓ! تم میرا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ دیکھتے نہیں ہو کہ محمدؐ کے بیٹے کا رخسارہ میرے رخسارے پر ہے —"

جونؓ نے جان دے دی اور کربلا مشک عنبر سے مہکتا رہا۔ یہ اس بڈھے کی بات تھی۔

اب آپ کو ایک جوان کی بات سُنا دوں۔ عبداللہ ابنِ وہب کلبی۔ نیا دُولھا نوجوانی کا عالم۔ کربلا کا پہلا شہید میدان میں جا رہا ہے۔ بیوی سے رخصت ہونے لگا۔ کچھ دیر ہو گئی تو ماں نے کہا۔

"بیٹا! بیوی کی باتوں میں تو نہیں آگیا؟"

عبداللہ خیمے سے باہر نکلا تو ماں نے دیکھا کہ بیوی شوہر کا دامن پکڑے یہ کہہ رہی ہے۔"

"عبداللہ! خدا حافظ - جاؤ مرنے کے لئے — شہادت مبارک ہو مگر ایک وعدہ کرو کہ قیامت میں جب تُو رسولؐ کے سلام کو جائے تو مجھے نہ بھولنا۔

بہرنوع ۔ نوجوان میدان میں گیا ۔ دورانِ جہاد ہاتھ کی انگلیاں کٹ گئیں ۔ تلوار گر گئی، تو اس کی بیوی دوڑی اور تلوار اٹھا کے شوہر کو دی ۔ چنانچہ عبداللہ نے دوسرے ہاتھ میں تلوار پکڑ لی اور دانتوں سے بیوی کا دامن پکڑ کر خیمے میں واپس لایا اور مولاؑ سے عرض کی

"مولاؑ! اسے زینبؑ کی خدمت میں پہنچا دو۔"

عبداللہ ابن وہب کلبی کے بعد ایک اور بڑھا مرت سے ہم کلام ہوا ۔ وہ تھے حضرت جنادہؓ صحابیٔ رسولؐ ۔ جب وہ شہید ہو گئے تو امامؑ لاشے پر پہنچے ۔ لاشہ اٹھایا ۔ گنج شہیداں میں رکھا ۔ جب واپس آ رہے تھے تو امامؑ نے دیکھا کہ خیمے کا پردہ اٹھا اور ایک بچہ خیمے سے دوڑتا ہوا نکلا جیسے ابر میں سے چاند نکلتا ہو — امامؑ نے آواز دی ۔

"اہلبیتؑ! اس بچے کو روکو۔"

بچہ قریب آیا ۔ امامؑ نے بڑھ کے گود میں اٹھا لیا ۔ پوچھا

"بیٹے تم کہاں جا رہے ہو؟"

مولاؑ! میں مرنے جا رہا ہوں۔

"تم کس کے بیٹے ہو؟"

"مولاؑ! میں جنادہؓ کا بیٹا ہوں جو ابھی شہید ہوا ہے۔"

حسینؑ نے پوچھا ۔ تیری ماں کہاں ہے؟

"خیمے میں"

"بیٹے! تیری ماں تو بیوہ ہو گئی ۔ جاؤ ۔ اپنی ماں کے پاس جا کے بیٹھو۔"

اب جو مولاؑ نے یہ کہا تو بچے نے ایڑیوں پر کھڑے ہو کر عرض کی ۔

"مولا! یہ کرتا اماں نے ابھی پہنایا ہے۔ یہ کمر میری اماں نے باندھی ہے۔ یہ مجھے اماں نے دی ہے۔ میری ماں نے مجھے مرنے کے لئے بھیجا ہے" ابھی بچہ یہ باتیں کہہ رہی رہا تھا کہ خیمے کے دروازے سے آواز آئی۔

"حسینؑ! جناؓدہ کی ماں خوش نصیب تھی۔ مگر مجھ بیوہ کے بچے کو رد نہ کرو حسینؑ اسے مرنے دو تاکہ میں بھی اس امتحان میں کامیاب ہو جاؤں"

سامعین! ظہر کا وقت آگیا۔ حضرت سعیدؓ نوّے برس کا بڈھا صحابی حسینؑ کے سامنے پہنچا اور عرض کی۔

"مولاؑ! ظہر کا وقت ہے۔ ہم آپ کے ساتھ جماعت کی نماز پڑھنا چاہتے ہیں مولاؑ نے کہا۔

"شاباش۔ خدا تمہیں اجر خیر دے۔ اس عالم میں بھی نماز تمہیں یاد ہے" چنانچہ مولاؑ نے نماز شروع کروا دی اور حضرت سعیدؓ حسینؑ کے سامنے کھڑے ہو گئے تاکہ کوئی تیر فرزندِ رسولؐ تک آنے نہ پائے۔ اب جو مولاؑ نے نماز شروع کی تو دشمن کی طرف سے برابر تیر آنے لگے۔ سعیدؓ نے تیروں کو اپنے سینے پہ روکنا شروع کر دیا۔ بڈھا آدمی۔ بڈھی پسلیاں تیروں سے ٹوٹ گئیں۔ اُدھر مولاؑ نے سلام پھیرا اِدھر سعید حسینؑ کی گود میں آگرا۔ اور گر کے پوچھتا ہے۔

"ھَل وَفیت یا ابن رسُول اللہ"

"مولاؑ! میں نے جو عہد کیا تھا وہ پورا کر دیا۔؟"

امامؑ نے جواب میں فرمایا "انت امامی فی الجنۃ" ۔ سعیدؓ میں جنت میں جاؤں گا تو تُو میرے آگے آگے چلے گا" اب جو مولاؑ نے یہ فرمایا تو سعیدؓ کہتا ہے۔

"مولاؑ! اگر یہ بات ہے تو میری ایک عرض ہے"

امامؑ نے فرمایا "سعیدؓ۔ کہو۔ کیا بات ہے"

"مولاؑ! میرے بدن سے تیر نہ نکالنا۔ میں تیروں سمیت تیرے ناناؐ کے پاس جانا چاہتا ہوں" — اور یہ کہہ کے سعیدؓ کہتا ہے۔

"مولاؑ! کوئی میرے سرہانے بیٹھا میرا سر دبا رہا ہے۔ مجھے آرام مل رہا ہے۔ مجھے بڑا آرام مل رہا ہے"

مولاؑ نے فرمایا۔ "سعید سلام کرو۔ یہ میرے ناناؐ رسول اللہؐ آئے ہیں"

مولاؑ! کوئی میرے سینے پہ ہاتھ پھیر رہا ہے"

سعیدؓ! یہ میرے اباؑ حیدر کرارؑ آئے ہیں"

مولاؑ! کوئی میرے بازو دبا رہا ہے"

سعیدؓ! یہ میرے بھائی حسنؑ آئے ہیں"

مولاؑ! کوئی میرے پاؤں کے پاس بھی ہے"

سعیدؓ! پاؤں سمیٹ لو۔ تیرے استقبال کو میری اماںؑ آئی ہے"

بہر نوع! اصحابِ حسینؑ اپنے کئے ہوئے عہد کو پورا کر رہے ہیں۔ اور جب تمام اصحاب اپنا اپنا امتحان دے چکے تو اب حسینؑ کا اپنا امتحان ہے۔

"یا اللہ! تیرے حضور میں امتحانِ عشق دینے کے لئے میں خود آ رہا ہوں — اپنا کیا ہوا عہد پورا کرنے کے لئے میں آ رہا ہوں"

حسینؑ میدان میں آئے۔ خیموں میں عورتیں دم بخود ہیں۔ دروازے پہ زینبؑ خاموش کھڑی ہے — دورانِ جہاد بے حیا فوج نے تمسخر کے لہجے میں کہا۔

"حسینؑ! اب تیرا آخری وقت ہے۔ کیوں ہمیں بھی پریشان کرتے ہو۔ گھوڑے سے اتر آؤ — تاکہ یہ جنگ جلدی ختم ہو جائے"

جب بے حیا فوج کا یہ طنزیہ فقرہ زینبؑ نے سنا تو علیؑ کی بیٹی کو جوش آ گیا۔

دروازے سے آواز آئی۔

"حسینؑ! یہ تجھے مجبور سمجھتے ہیں۔ تھوڑی دیر کے لئے میری اماں کے دودھ کی طاقت دکھا دے۔ تاکہ یہ سمجھیں کہ حسینؑ مجبور ہے"

"اچھا زینبؑ! اگر تیری یہی مرضی ہے تو ایسا ہی ہوگا"

حسینؑ نے جب بسم اللہ پڑھ کے تلوار نکالی اور فوج پر حملہ کر دیا۔ تاریخ عالم گواہ ہے کہ حسینؑ فوج کو نخلیہ تک بھگاتے ہوئے پہنچے تو فوج کا پچھلا دستہ کوفے کے بازاروں سے ٹکرا گیا۔ اور جب حسینؑ دوڑتے ہوئے نخلیہ سے واپس کربلا آئے تو بلند ٹیلے پر چڑھ بلند آواز سے کہتے۔ "انا ابن رسول اللہ" "لوگو میں رسولؐ کا بیٹا ہوں"

زینبؑ فوراً جواب میں کہتی۔ مرحبا یا ابن رسول اللہ۔ شاباش اے رسولؐ کے بیٹے"

بہر نوع! حسینؑ نے جب اس شان سے تین حملے کئے تو دوران جہاد اللہ کی طرف سے غائبی آواز آئی۔

"اے نفسِ مطمئنہ! دنیا نے تیری شجاعت دیکھ لی۔ اب آجا ہمارے پاس"

اے آلِ محمدؐ

اگر محبت میں ہم پورا نہیں اترتے تو اتنا دعویٰ ضرور ہے کہ تمہارے دشمنوں سے ہمارا کوئی واسطہ نہیں ہے۔

خلف آلِ محمدؐ

سکینہ بنت الحسینؑ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"خداوندِ عالم کی حمد و ثنا کے بعد حضرات محمدؐ و آلِ محمدؐ پر درود و سلام"

میرے سامعین!

اللہ کا یہ فرمان ہے "مَن نُعَمِّرہُ نُنَکِّسہُ فِی الخَلقِ"

جس کی عمر زیادہ ہو جاتی ہے ہم اسے واپس کر دیتے ہیں بچپن کی طرف ــــ میری صورت ہے کر دیکھنے میں تو میں بوڑھا ہو گیا ہوں مگر خدا کے اس قانون کے مطابق میں بچہ ہو گیا ــــ اور یہ جوان خطیب میرے استاد ہیں، میں ان کا شاگرد ہوں میں ان ہی سے سیکھ کے پڑھتا ہوں جو کچھ یہ پڑھتے ہیں ــــ مجھے ذاتی طور پر کچھ یاد نہیں رہا۔ جو کچھ سیکھ لیتا ہوں سنا دیتا ہوں۔ اب اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے یہ سب عمر کا قصور ہے ــــ آج آپ کو بطور کہانی ایک بات سناتا ہوں، اگر آپ ہاں ہاں کرتے رہے تو کہانی چلتی رہے گی ــــ اگر آپ نے بیچ میں ہچکیوں سے رو دیا تو کہانی رہ جائے گی ــــ کہانی سنانے کا مقصد یہ ہے کہ کہانی آپ کو یاد بھی رہے گی ــــ اور ــــ یاد رہے گی تو میں بھی یاد رہوں گا ــــ اگر بھول گئے تو مجھے بھی آپ بھول جائیں گے ــــ آپ اگر مجلس سننا چاہیں تو کسی نوجوان سے سنیں ــــ اگر کہانی سننا چاہیں تو مجھ جیسے بوڑھے سے سنیں جس طرح گھر میں بڑے بوڑھوں کا کام بچوں کو کہانیاں سنانا رہ جاتا ہے ــــ

بزرگانِ من!

انسان کی فطرت میں داخل ہے کہ جس سے اُسے عقیدت ہو جائے اُس کیلئے وہ اپنی اُلفت کے اعتبار سے اچھے سے اچھا لفظ استعمال کرتا ہے ـــــ جتنا اچھا لفظ اُس کے ذہن میں آئے وہ اپنے ذہن کے مطابق اچھے سے اچھا لفظ استعمال کرتا ہے، چاہے وہ خود حقیقت میں اچھا نہ رہے۔ گر چاہتا یہی ہے کہ اچھا لفظ استعمال ہو ـــــ جیسے طرح ایک مُرید اپنے پیر کے پاس گیا" پیر سائیں! ایک تعویز لکھ دو" تاکہ میرے گھر چوری نہ ہو" پیر نے کہا " میاں تعویز بھی لے جا اور ایک کتّا بھی پال لے جو تیرے گھر کی حفاظت کرے" ـــــ مُرید نے عرض کیا " جناب میرے تو پیر بھی تُسی اور کتّے بھی تُسی "
مُرید نے اپنے پیر کی بڑی عزت کی تھی۔ بڑا شرف بڑھایا تھا، اپنی عقل کے مُطابق بات کی تھی۔ مگر خدا ایسے نادان دوستوں سے بچائے جو بظاہر تو تعریف کرتے ہیں ـــــ بات کچھ اور ہوتی ہے" ـــــ اسی طرح کی یہ ایک کہانی ہے کہ لوگ کچھ بات کرتے ہیں ـــــ نتیجہ کچھ اور نکلتا ہے ـــــ،

میرے محترم سامعین!

انسان کی لکھی ہوئی تاریخ کے مطابق آج سے پینتالیس سو سال پہلے عراق کی سرزمین پر عُر نامی ایک مقام میں اللہ نے ایک بچہ پیدا کیا۔ جس کا نام تھا ـــــ ابراہیم ـــــ اور یہ وہ زمانہ تھا جب ہمارے برِّعظیم پاک و ہند میں راجہ رام چندر کے بعد جس کی حکومت تھی۔ ابراہیمؑ کی پیدائش کے بڑے قصے ہیں جن کا ذکر کیا جائے تو کہانی ـــــ طویل ہو جائے گی ـــــ بہر نوع ـــــ جہاں ابراہیم پیدا ہوئے یہ وہ جگہ ہے جو شہر بابل کہلاتا ہے ۔جس کے کھنڈرات اب نکالے جا رہے ہیں ۔ بابل شہر دُنیا میں سب سے بڑا شہر تھا ۔ اس کا رقبہ تقریباً ڈھائی سو مربع میل میں پھیلا ہوا تھا۔ بابل شہر کے محلوں کے نام یہ تھے :۔ غازیہ ، نینوا ، کربلا ، ہلہ وغیرہ۔ یہ سب بابل کے محلے تھے ـــــ اس شہر میں اُس وقت دُنیا میں جتنے مذہب

تھے۔ ہر مذہب کے آدمی آباد تھے - ہر مذہب کا پیشوا وہاں رہتا تھا - ہر مذہب کا عبادت خانہ وہاں موجود تھا - ان تمام مذاہب میں کچھ لوگ خدا پرست بھی تھے ——— خدا پرستی دُنیا میں ہمیشہ رہی ہے - خواہ کسی شکل میں رہی ہو - بہر نوع ——— اخدا پرست بھی تھے وہ -

عبادت خانے کو بابلی زبان میں "کرب" کہتے ہیں ——— یہ عبادت خانہ فلاں بُت کا، یہ عبادت خانہ فلاں بُت کا - جہاں اللہ کا عبادت خانہ تھا اسکو "کرب الہٰ" کہتے تھے ——— جسے آج کربلا کہتے ہیں، یہاں وہ قوم آباد تھی جو اللہ کو پوجتی تھی اور اور بابل سے لے کے کربلا جس جگہ کو کہتے ہیں یہاں سے لے کر کوذ تک جو اڑتالیس میل کا ٹکڑا ہے، یہ سب ایک جھیل تھی پھر ایک زلزلہ آیا ——— زلزلے کا اثر یہ ہوا کہ وہ جھیل خشک ہو گئی اور جھیل کی جگہ وہاں ریگستان ہو گیا ——— عربی زبان میں جھیل کو کہتے ہیں "نے" ——— آپ نے جغرافیہ میں پڑھا ہو گا لفظ ع ا نا تے " لہٰذا جھیل کہتے ہیں "نے" کو اور خشک ہو جانے کو کہتے ہیں "جف" ——— وہ جھیل تھی اور خشک ہو گئی اس لئے اس جگہ کا نام رکھا گیا "نے جف" جسے آج "نجف" کہتے ہیں -

بہر نوع ——— آپ یہ کہانی سُن رہے ہیں کہ بابل شہر میں حضرت ابراہیمؑ پیدا ہوئے اور جب اُنکا زمانہ عروج آیا - اُنہوں نے سب سے پہلے دُنیا کو علم نجوم کا وعظ کیا ——— (ستاروں کے علم) کا تعارف کروایا - اُن کی شہرت ہو گئی کہ عراق میں ایک ایسا شخص ہے جو ستاروں کا علم جانتا ہے - چنانچہ راجہ جسرتھ نے یہاں سے طلبہ کی جماعت بھیجی - ابراہیمؑ سے نجوم کا علم سیکھنے کے لئے ——— اُنہوں نے جا کے نجوم کا علم سیکھا اور واپسی پر بجائے ہندوستان آنے کے وہ مصر رہ گئے - کافی عرصہ تک وہ مصر میں رہے - یہاں تک کہ جناب ابراہیمؑ کے انتقال کے ہزار، ڈیڑھ ہزار سال بعد مصر پہ حکومت ہو گئی فرعون کی (فرعون کسی کا نام نہیں تھا بلکہ فرعون کہتے ہیں بادشاہِ مصر کو) تو اُن میں سے ایک

فرعون کے جی میں آیا "چلو ہندوستان کی سیر کریں" اور لیے آدمی چاہئیں جو مجھے ہندوستان کی سیر کرادیں ——— ابراہیمؑ کے شاگرد جو نجوم سیکھ کے آتے تھے۔ وہیں ٹھہر گئے تھے وہ اُس وقت بھی ہندی کہلاتے تھے ——— اُنہیں ساتھ لے کر وہ بادشاہ ہندوستان میں آیا ——— بادشاہ کا نام تھا "ہری" گویا اُس بادشاہ کے ساتھ وہ مصری آتے جنھوں نے حضرت ابراہیمؑ سے علم نجوم سیکھا تھا ——— ہندوستان کی سیر کراتی جب وہ گنگا کے دہانے پر پہنچا وہاں وہ "ہری" مرگیا ——— اُسے وہاں دفن کردیا گیا اور اُس کے دفن کی جگہ کا نام "ہری دوار" ہوگیا۔ جسے "ہردوار" کہتے ہیں

بہر نوع! آپ کو کہانی سُنا رہا ہوں ——— حضرت ابراہیمؑ کو اللہ نے حکم دیا خانۂ کعبہ جس جگہ ہے وہاں جا کر تم اپنے بچے کو اور اس کی ماں کو آباد کردو ——— چنانچہ حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسماعیلؑ اور ہاجرہؑ کو اس جگہ جا کر بسا دیا ——— اسماعیل جب جوان ہوتے تو انہوں نے یہ گھر بنایا جو آج خانۂ کعبہ کہلاتا ہے ——— یہاں بنی جرہم نامی ایک قبیلہ آکے آباد ہوگیا۔ اس قبیلہ بنی جرہم کا جو شیخ تھا اُسکی کوئی نرینہ اولاد نہ تھی۔ صرف ایک لڑکی تھی۔ اُس نے اپنی اکلوتی لڑکی کا عقد اسماعیلؑ کے ساتھ کیا۔ گویا اسماعیلؑ اس "بنی جرہم" ——— کے داماد ہوگئے۔ اور جب وہ بہت بوڑھا ہوا اُس نے ایک ٹیلے پر کھڑا ہو کر اپنے بنی جرہم کے قبیلے سے کہا۔

"مجھے سردار مانتے ہو"

سب نے کہا "ہاں مانتے ہیں"

"سُنو! جن کا میں سردار ہوں اُس کا آج سے میرا داماد سردار ہے"

چنانچہ "سرداری کا اعلان ہوگیا۔ گویا شہر مکہ کی آبادی "داماد" کی سرداری کے اعلان سے قائم ہوئی اور جس جگہ کھڑے ہو کر اُس نے اعلان کیا تھا اُس جگہ یہ عمارت بنائی گئی؛ جو خانۂ کعبہ کہلائی۔ گویا خانۂ کعبہ کی عمارت داماد کی سرداری کے اعلان کی یادگار ہے ———

کہ بچاؤں طرف بنی جرہم بھی آباد ہو گئے اور نسلِ اسماعیلؑ بھی آباد ہو گئی۔ کعبہ کی حکومت آلِ اسمٰعیل کے پاس تھی۔ بنی جرہم بطور رعایہ رہتی تھی اُن کی تعداد ذرا زیادہ تھی۔ آلِ اسماعیلؑ کی تعداد ذرا کم تھی ——— جب رعایہ کی تعداد ذرا زیادہ ہو جاتے تو وہ کثرت کے غرور میں آ کر جلیل القدر سرداروں سے اُلجھ پڑتی ہے چنانچہ اُنہوں نے بھی یہی کیا ——— اولادِ اسماعیلؑ سے جھگڑا کیا، لڑائی کی اور اولادِ اسماعیلؑ تنگ ہو کر مکہ چھوڑ کر اِدھر اُدھر چلی گئی اور بنی جرہم وہاں قابض ہو کے بیٹھ گئے ——— عربوں کا یہ دستور ہے کہ لڑکی بھی دے دی اور دیران بھی کر دیا اُن بے چاروں کو ——— یہ عربوں کی پرانی عادت ہے اولادِ ابراہیمؑ دنیا میں منتشر ہو گئی جہاں جہاں جس کے جی میں آیا وہاں جا کے بس گئے چنانچہ اولادِ ابراہیمؑ کی ایک شاخ یمن میں جا کے آباد ہو گئی ——— سینکڑوں سال یہ بے چارے اسی طرح منتشر رہے پھر خدا نے جو اولادِ ابراہیمؑ جو منتشر تھی اُنہیں اکٹھا کیا ——— دوبارہ مکہ پر حملہ کیا اور قابض ہو گئے۔ اس طرح آلِ اسماعیلؑ نے اپنی حکومت حاصل کی ——— "قریش" کے معنی میں "بکھرے ہوئے کو اکٹھا کرنا" چونکہ قصیؒ نے یہ عمل کیا تھا اس لئے وہ "قریش" کہلائے اور اُنکی اولاد "قریشی" کہلائے ——— اس طرح آلِ اسماعیلؑ کی حکومت دوبارہ وہاں قائم ہو گئی۔ یوں تو اسماعیلؑ کی ساری اولاد مکہ میں آ کر بس گئے تھے مگر جو یمن چلے گئے تھے وہ دوبارہ مکہ واپس نہ آتے بلکہ وہیں یمن میں آباد رہے ——— یمن میں اُنہوں نے بڑی تجارت شروع کر دی۔ بڑا کاروبار شروع کر دیا۔ اُن کی وہاں بڑی عزت ہو گئی۔ بڑی شان ——— ہو گئی۔

میرے سامعین! آپکو پتہ ہے کہ عیسائی مذہب میں سب سے بڑا مذہبی وہ کہلاتا ہے جو راہب ہوتا ہے۔ رہبب کے معنی ہیں، دُنیا چھوڑ دی اور کہیں جنگل میں جا کے بیٹھ جاتے وہ راہب عیسائی مذہب میں سب سے بڑا گویا مذہبی ہوتا ہے۔ یہ خاندان چونکہ عیسائی ہو گیا تھا اِن میں جو راہب تھا اُس کی دولت باقی

خاندان میں بٹ جاتی - یہاں تک کہ تقریباً سارا خاندان راہب ہو گیا اور پورے خاندان کی دولت سمٹ کر ایک شخص کے پاس آگئی اُن کا نام تھا خویلد - سارے قریش جو یمنی تھے اُن سب کی دولت کے وہ تنہا وارث ہو گئے ——— خویلد کے گھر لڑکا تو نہیں تھا - ایک لڑکی تھی جس کا نام تھا " خَدِیجَۃُ الکُبریٰ " ——— گویا "خدیجۃ الکبریٰ" سارے قریش یمنی خاندان کی دولت کی تنہا واحد مالک تھیں ——— یمن میں کافی عرصہ گذارنے کے بعد خویلد اپنی لڑکی کو لے کر مکہ شریف لاتے - وہاں خویلد کا انتقال ہو گیا اور خدیجہؓ اس تمام دولت کی مالک ہو کر وہاں رہنے لگیں - وہاں بڑی عظیم الشان تجارت شروع کر دی ——— تقریباً نوّے ہزار اونٹ مالِ تجارت سے لدے ہوئے یمن جایا کرتے تھے اور نوّے ہزار اونٹ شام جایا کرتے تھے - اتنے اونٹ ہر وقت نقل و حرکت میں رہتے تھے اتنی بڑی تجارت تھی جناب خدیجۃ الکبریٰ کی اگر اُن کی آمدنی اُس زمانے کے دس لاکھ بھی سمجھ لی جائے تو اس زمانے کے دس کروڑ کے برابر ہو گی ——— !

بہرحال ! اتنی دولت تھی خدیجۃ الکبریٰؓ کے پاس ——— مگر عرب کیا کرتے تھے اُن کے مالِ تجارت پر ڈاکہ ڈال دیتے تھے اگرچہ وہ مال غریبوں ہی میں بانٹ دیا جاتا تھا ——— مگر ——— عادت تھی ، عربوں کی ——— لوٹ لیتے تھے اس لوٹ سے بچانے کے لئے اُنہوں نے بیضۃ البلد ، شیخ البطحا ، سیّد القوم امیر العرب ، حضرت ابی طالبؑ سے درخواست کی کہ آپ ایسا انتظام کریں کہ ڈاکہ زنی میری جائیداد پر نہ ہو ——— چنانچہ ابی طالبؑ نے یہ انتظام کیا کہ جتنے عرب قبیلے تھے اُن سب کے سربراہوں کو بلایا اور یہ کہا " میں چاہتا ہوں تم سب تجارت کرو "

یہ نہیں کہا ! " تم ڈاکے نہ ڈالو " ——— بلکہ کہا !

"تجارت کرو" جس کے پاس جتنے پیسے ہیں لے آؤ" ــــ کوئی ایک سو ــ کوئی پانچ سو اور ــ کوئی ہزار لے کر آیا ــ جتنے کسی کے پاس تھے لے آیا ۔ خدیجہؓ کی دولت سے ملا دیتے اور فرمایا "یہ تم سب کی مشترکہ تجارت ہے ۔ جو منافع ہوا کرے گا ــ وہ تم سب میں تقسیم ہو جایا کرے گا" ــــ چونکہ وہ سب کی مشترکہ تجارت ہو گئی تھی اس لئے بجائے لوٹنے کے سب اس کے محافظ بن گئے ــــ سرمایہ مشترک سے تجارت کرنے کا طریقہ سب سے پہلے حضرت ابی طالبؑ نے بتایا ہے اس سے پہلے یہ بات کسی کو معلوم ہی نہیں تھی ــــ عربی میں کمپنی بنا کے تجارت کرنے کو "ایلاف" کہتے ہیں ۔ اسکے معنٰی ہیں الفت پیدا کرنا ــــ اور قرآن نے ابی طالبؑ کے اس عمل کو ان لفظوں سے یاد کیا " ــــــــ " جو قریش نے کمپنی بنائی ہے ۔ اپنے سردی اور گرمی کے تجارتی سفروں کے لئے یہ اصل میں ان پر احسان کیا ہے "ربِّ کعبہ" نے ــــ یا تو ابی طالبؑ کو ربِّ کعبہ مانو ــــ یا ۔ !

بہر نوع ! ــ اس طرح وہ تجارت ہوتی تھی ــــ کہانی بڑے مختصر لفظوں میں آپ کو سنا رہا ہوں ــــ خویلد کے خاندان کا ایک فرد تھا "امرالقیس" جو یمن میں رہتا تھا ــــ یہ بھی عیسائی تھا ــــ اسے پتہ تھا کہ میرے خاندان کی ایک خاتون "خدیجۃ الکبریٰؓ" مکہ جا کر رسولؐ کی حرم بن گئی ہے ۔ امرالقیس کی شرافت و لطافت اور اخلاق کی داستانیں عرب کی ادبی کتابوں میں مختلف جگہوں پہ درج ہیں ۔ نہایت شریف النفس اور نیک انسان تھا ۔ خدا نے اسکو دو بیٹیاں عطا فرمائیں ۔ ایک کا نام سلمیٰ تھا ــ اور ایک کا نام سلامہ تھا ــــ جو رشتہ میں بھتیجیاں تھیں جناب خدیجۃ الکبریٰ کی ۔ سلمیٰ جوان ہو گئی تھی اور سلامہ ابھی چھوٹی سی بچی تھی جب اسکی ماں مرگئی

اُمرالقیس کے دل میں خدا جانے کیا خیال آیا! اُس نے ارادہ کیا ـــــ مُسلمان ہونے کا۔ یہ اُس وقت کا ذکر ہے جب مدینے میں تیسری حکومت مسندِ حکومت پر تھی ـــــ اُمرالقیس اپنی دونوں بیٹیوں کو لے کر مدینے آگیا ـــــ سوچنے لگا ـــــ "پہلے تو میں مُسلمان ہُونگا - پھر بڑی بیٹی کی شادی کسی شریف زادے سے کردُوں گا اور چھوٹی بیٹی اپنی بڑی بہن کے ساتھ رہے گی - جب یہ بڑی ہوگی تو اس کی بھی شادی کر دونگا" اس نیّت سے وہ دونوں بیٹیوں کو لے کر مدینہ آگیا مدینے میں آکر اُس نے یہ تلاش کیا کہ "شریف ترین انسان کون ہے جس سے اپنی لڑکی کی شادی کردُوں "؟

اب تم بتاؤ بھائیو !

دُنیا کے اصُول کے مطابق معیارِ شرافت کیا ہے ؟ ـــــ اگر پیسہ ہے تو بڑا شریف ہے ـــــ دُنیا بھر کے عیب ہوں، پیسہ ہے، بڑا شریف ہے - جتنا بھی نیک ہو، وہ غریب ہے، تو بھوکا ہے، کنگال ہے، گویا پیسہ ہی شرافت ہے اور اگر پیسے کے ساتھ ساتھ حکومت بھی مِل جاتی تو شرافت کا بادشاہ بن جاتا ہے ـــــ ؟ چنانچہ اُمرالقیس نے آکر مدینے میں دریافت کیا، یہاں کوئی شریف بھی ہے؟ لوگوں نے کہا "بھائی شریف تو وہ ہوگا جس کے پاس دولت ہو، حکومت ہو اور اگر دونوں مل جائیں ـــــ تو سبحان اللہ "!

لہٰذا اتفاق سے غنی بھی تھا اور صاحبِ حیثیت بھی تھا ـــــ اُمرالقیس اُس کے دربار میں گیا دو چار باتیں کیں - دو چار دن جاکر بیٹھا ـــــ جوہری کو جوہر کا پتہ چلتا ہے ـــــ کہنے لگا نہیں ! ـــــ یہ اس قابل نہیں کہ میری لڑکی کا رشتہ اس سے کیا جاتے ـــــ چند دن اور ٹھہرا ـــــ اس انتظار میں کہ کوئی شریف ملے ـــــ !

سامعین! —— آپ بتائیں کہ یہودیوں کے باغ میں کام کر۔ دکھ رضا شاہد
—— ! بھلا اُس کی طرف اشارہ کون کرے —— کسی نے بھی نہ کہا، شریف کہو!
شریف ایسا ہے جو صبح سے لے کر شام تک مزدوری کرتا ہے —— ایک بختم نہیں
وہ اتفاق سے مدینے میں کسی اجتماع میں بیٹھا ہوا تھا کہ اُس نے دیکھا کہ پیر دل شریف
مزدوری کی گرد پڑی ہوئی ہے۔ کہنیوں پر پسینے کے چھالے پڑے ہوئے ہیں —— پسینے
شرابور ہے۔ مٹھی میں مزدوری کے پیسے ہیں، ایک شخص سر جھکائے ہوئے چلا آ رہا ہے
اور کرتا کیا ہے؟ کہ غریبوں کے یتیم بچے اُسے دُور سے دیکھ کے دوڑے آتے ہیں وہ دوسرے
بچوں سے نظر بچا کے ایک بچے کو پیسہ دیتا ہے —— پھر دوسرے کو۔ یہاں تک کہ گھر پہنچنے
تک کچھ بھی نہیں رہا —— یہ منظر امرالقیس نے چار دن متواتر دیکھا (بھائیو غور سے سُننا،
میری اس کہانی کو یہ ہمارے گھر کی کہانی ہے جو سوائے آنسوؤں کے کچھ بھی نہیں)
امرالقیس چند دن دیکھتا رہا اُس مزدور کو ایک دن وہ ایک قبیلے کے افراد میں بیٹھا ہوا
تھا کہ اتفاق سے وہی مزدور سامنے آیا۔ سارے آدمی کھڑے ہو گئے اور بے ساختہ اُس کے منہ سے نکلا۔

"لا الٰہ اِلّا اللّٰہ ما اشرفہ ھٰذا الفتیٰ"

سامعین! —— مسلمانوں کی سب سے بڑی قسم کلمہ ہے۔ اگر مسلمان کلمہ پڑھ کے
کہہ دے، —— کوئی بات، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بات کبھی جھوٹ ہو سکتی ہی
نہیں۔ دوسرے، مسلمان پر فرض ہے کہ وہ اگر مسلمان ہے تو مان لے ورنہ اُس کا اسلام
غلط ہو جائے گا۔ اسی لئے ہمیں اتنا یقین ہے علیؑ کی ولایت کا کہ ہم قسم جلالہ اُٹھا کے کہتے ہیں کہ

لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ علیؑ ولی اللّٰہ

علیؑ کے ولی ہونے کا ہم قسم اُٹھا کے اعلان کرتے ہیں۔ اب جو نہیں
مانے گا تو وہ مسلمان نہیں رہے گا

"لا الٰہ اِلّا اللّٰہ" —— پہلے قسم کھائی پھر کہا "اشرفہ ھٰذا" یہ

نظال جو آرہا ہے بڑا ہی شریف ہے۔ اب جوان کے لئے عربی میں "شباب" کا لفظ بھی ہے۔ مگر انہوں نے شباب نہیں کہا۔ فتیٰ کہا ہے۔ فتیٰ اور شباب میں فرق ہے۔ ہر نوجوان شباب ہے۔ مگر ہر جوان فتیٰ نہیں ہے —— جب ابراہیمؑ نمرود کے بت خانے کے بت توڑ کے آتے تو وہاں کے بت پرستوں نے جب بت ٹوٹے بکھرے دیکھے، تو انہوں نے فوراً کہا ——!

"یذکرھم یقال لہ ابراھیم"

"ایک فتیٰ ہے جو برائی کرتا ہے اور ابراہیمؑ اُس کا نام ہے" معلوم ہوا فتیٰ اُس جوان کا نام ہے جو بت شکن ہو۔ فتیٰ ہر جوان نہیں کہلاتا —— بت شکن فتیٰ کہلاتا ہے —— اب جتنے مسلمان تھے بتوں سے تو سب کو نفرت تھی، مگر بت شکن سب نہیں تھے اس لئے یہ فقرہ بنانا پڑا ——

"لا فتیٰ الّا علیؑ"

کوئی بت شکن نہیں ہے سوائے علیؑ کے —— اور —— اس لفظ کی جان میں اتنی طاقت آگئی کہ اگر ساری دنیا کے مُلّا بھی مل کر کسی کو بے دین بنا دیں —— مصیبت یہ بن گئی ہے کہ مجھے تو جماعت کا پتہ ہی نہیں اس لئے کہ میں اہلِ جماعت رہا ہی نہیں —— ایک جماعت جو "لا فتیٰ" کہنا شروع کر دے تو فتیٰ اُسے ضرور ہو جاتی ہے۔

بہر نوع۔ فتیٰ اسے کہتے ہیں جو بت شکن ہو۔ —— انہوں نے یہ نہیں کہا "لا الٰہ الّا اللّٰہ ما اشرف ھٰذا الشباب" یہ جوان کتنا شریف ہے بلکہ کہا ——

"ما اشرف ھٰذا الفتیٰ" لفظ فتیٰ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ مخصوص جوان ہے جس نے بت توڑے ہیں، بت پوجے کبھی نہیں اور کہا "اشرف"

شریف نہیں کہا —— شریف اور چیز ہے ۔ اشرف اور چیز ہے —— مگر شاید یہ کہ شریف کہنے کی تو ہمیں اتنی عادت پڑگئی ہے کہ جس انسان کو دیکھا اُسے شریف کہدیا —— اگر پاکستان و ہندوستان کے شریف گننا شروع کریں تو صبح ہو جائیگی شریف ختم نہیں ہونگے مثلاً اجمیر شریف —— سیال شریف —— تونسہ شریف —— فلاں شریف مصیبت شریف اور آفت شریف —— ایمان سے میں تو ان شریفوں سے تنگ آکے کراچی گیا —— جہاز میں بیٹھا —— جا اُترا بصرے میں سوچا ! "شریفوں سے تو جان بچی - بصرے میں ریل گاڑی میں سوار ہوا اور صبح جب جاکر سٹیشن پر آنکھ کھلی تو سامنے لکھا ہوا تھا " بغداد شریف "— لو شریف نے یہاں بھی جان نہ چھوڑی شریف یہاں تک بھی آگیا —— آخرکار میں نے ایک ٹیکسی کرایہ پر لی اور ٹیکسی ڈرائیور سے کہا "مجھے کسی اچھی جگہ لے چل " وہ لے کے چل دیا —— ابھی دس میل دُور تھی وہ جگہ کہ دُور سے طلائی گنبد نظر آیا —— طلائی مینار نظر آئے ۔ آنکھ جھپک گئی - دل تڑپ گیا —— رُوح میں روانی آگئی —— نبضیں تیز ہو گئیں —— کان میں غیبی آواز آئی "با ادب با ملاحظہ ہوشیار !" یہاں جبرئیل امین اردلی ہے یہاں جنت کی بہاریں ہیں، یہاں انبیاء تعظیم کو کھڑے ہیں، یہاں کوثر گلتا ہے یہاں ایمان بڑھتا ہے —"

میں نے کہا " یہ ہے کیا ؟"

" یہ نجف ...... ہے"

عادت جو تھی مُنہ سے نکل گیا " شریف"

ڈرائیور نے میرے مُنہ پر ہاتھ رکھا اور کہا

" خبردار ! شریفوں کی حد ختم ہو گئی —— یہ شریف نہیں ہے —— یہ ہے شریف گر —— جو اس کا صرف نام ہی لے لے شریف بن جاتا ہے ۔ اسے کہا جاتا ہے " نجف اشرف " —— اب اشرف دماغ میں بیٹھ گیا ۔ اب جو کسی کا نام لوں گا تو شریف نہیں کہوں گا —— زیارت کی نجف اشرف کی —— لطف آگیا —— سواد آگیا،

ضریح کے پاس گیا، وہاں جا کر عرض کیا، مولائے کائنات! آواز دے مجھے لائے جبرئیلؑ طاقتِ پرواز دے مجھے ——— میں کس کے دربار میں آ گیا ہوں"

وہاں سے میں نے پھر ٹیکسی لی اور آگے چل پڑے تقریباً چالیس میل چلے ہوں گے کہ دُور سے طلائی گنبد نظر آئے۔ میں نے پوچھا "یہ کونسی جگہ ہے"

ٹیکسی والے نے کہا "یہ ہے کربلا"

میں نے پوچھا "یہ اشرف ہے"

"نہیں اشرف نہ کہنا اسے۔ اشرف وہاں کی بات تھی" "یہ ہے کربلا معلٰی"

بس بھائیو! لفظ معلّٰے معراج کی یادگار ہے۔ دُنیا میں صرف دو ہی معلّٰی ہیں، ایک ——— عرش معلّٰی ایک کربلا معلّٰی ——— نانے کی معراج نے عرش کو معلّٰی بنا دیا۔ نواسے کی معراج نے فرش کو معلّٰی بنا دیا)

بہر نوع! شریف تو ہر ایک کو کہتے ہیں مگر امرالقیس نے کہا "ما اشرف الفتیٰ" "وہ کتنا شریف گھر ہے" قیس نے کہا ——— میں تو شریف کی تلاش میں آیا تھا مگر یہ ایسے انسان کو اشرف کہہ رہا ہے جس کے پاؤں پہ غبار پڑا ہوا، پسینے میں تر، پھٹے ہوئے کپڑے پہنے ہوئے انسان کی یہ امیر العرب، قالین پہ بیٹھنے والے، بڑے بڑے رئیس اٹھ کر تعظیم کر رہے ہیں ——— اشرف کہہ رہے ہیں اور میں انہیں بھی غلط نہیں کہہ سکتا چونکہ یہ کلمہ پڑھ کے کہہ رہے ہیں ——— اسلئے قیس اُٹھ کے اُس کے پیچھے پیچھے چل پڑا ——— اور جب پہنچا گھر کے دروازے پہ تو اُس نے دروازے پہ لگا ہوا بورڈ پڑھا ——— وہاں لکھا تھا "اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ" قیس گھر واپس آ گیا۔ رات بھر سوچتا رہا "یہ کیسا انسان کو میں نے دیکھا" قیس ساری رات بھر بے چین رہا۔ صبح کو اٹھ کر پھر اُسی گھر کی طرف روانہ ہوا ——— اُدھر سورج کی پہلی کرن اس گھر پہ آئی اِدھر یہ جا کر پہنچا ——— دستک دی ——— وہی مزدور باہر آیا ——— "تم کون ہو؟" "قبلہ! میں یمن کا ———" "ہاں ہاں! سمجھ گئے ——— اُمرالقیس یمنی"

آپ مجھے جانتے ہیں"؟ فرمایا "ہاں! جانتے ہیں" "آج بھی کتابوں میں دُعائے یمنی موجود ہے کوئی مشکل پڑے تو اس دُعا کو پڑھ لو، فوراً دور ہو جائے گی" مولاؑ نے فرمایا "تمہیں مجھ سے کوئی کام ہے؟" فرمایا" ہاں! قبلہ" "اچھا بیٹھ جاؤ" ابوتراب کا مہمان پہ بیٹھ گیا" قیس! مٹی پہ بیٹھنے سے آپ کو کوئی عار تو نہیں" "مولا! آپ نے مجھے بیٹھنے کو کہہ دیا یہ مٹی اب مجھے مٹی نہیں نظر آتی" "میں اپنے کو یہ محسوس کرتا ہوں کہ کوثر کا کنارہ ہے طوبیٰ کا سایہ ہے، جنت کی بہاریں ہیں، حوریں میرے چاروں طرف کھڑی ہیں ——— اللہ جانے! میں کس جگہ آ گیا ہوں ——— عرش سے فرش تک مجھے نُور نظر آ رہا ہے"

حضور مسلمان تو میں ہو گیا مگر آج مجھے تو پتہ چلا کر علم اسلام کا مجھے کہاں سے ملے گا! ——— ہر در سے بھیک مانگنے کے بعد اصل در پہ آیا ہوں، حضور! میری دو لڑکیاں ہیں ایک بچی ہے، ایک قابل شادی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ حضور کے شہزادگان محترم اگر میری لڑکی کو قبول فرمالیں تو میری دین دُنیا میں فلاح ہو گی۔"

چنانچہ قیس کی بڑی لڑکی سلامہؓ کا عقد اسی دن امیر المومنینؑ نے اپنے فرزند اکبر شہزادہ کونین حضور امام حسن مجتبیٰؑ سے کیا ——— اسی خاتون کے بطن طیبہ طاہرہ سے حسنؑ کے گھر وہ بچہ پیدا ہوا جو قاسمؑ ابن حسنؑ کے نام سے آج دنیا میں مشہور ہے۔ امیرالمومنینؑ کی شہادت کے بعد ——— امام حسنؑ کی بھی شہادت کے بعد جناب سلامہؓ کی چھوٹی بہن جناب سلمیٰؓ جب جوان ہو گئی تو ان کا عقد حضور سید الشہداء امام حسین علیہ السلام سے ہوا ——— اب اُم القیس کی قسمت جاگ اٹھی ——— اسے اس کی شرافت کا پورا صلہ مل گیا ——— یاد رکھو! سسرالی رشتہ بڑا مفید ہوتا ہے بشرطیکہ لڑکی صاحب اولاد ہو کسی بڑے آدمی کے گھر لڑکی بیاہی جائے اگر اللہ اس لڑکی کے باپ کو شرف نہ دینا چاہے تو اس لڑکی کے اولاد نہیں ہوتی ——— کیونکہ سسرال رشتہ نواسے، نواسی،

سے ہوتا ہے نا کہ داماد سے رشتہ تو ایک لفظ میں جوڑ دیا ـــــ ایک لفظ میں توڑ دیا۔ اصل رشتہ نواسے نواسی کا ہوتا ہے ـــــ اللہ کسی کو عزت نہ دینا چاہے تو لڑکی بے شک بڑے گھر چلی جائے۔ نواسہ نواسی نصیب نہیں ہوگا ـــــ میں کہتا ہوں سادات کرام! اتم قیامت میں منظر دیکھنا، جب حکم ہوگا "آتش پرستوں کو جہنم میں لے جاؤ" نوشیرواں بھی آتش پرست تھا ـــــ وہ جائیں گے جہنم میں، اگر چلتے وقت اس نے کہہ دیا" ذرا جانے سے پہلے مجھے میرے نواسے زین العابدینؑ سے ملا دو" ـــ چونکہ نواسے ہیں زین العابدینؑ اسی لئے تمام مسلمانوں کا یہ فیصلہ ہے۔ کہ جہنم میں تو وہ جائے گا مگر اسے ایسا پنکھا عطا فرمایا جائے گا کہ جہنم کی آگ اس پر اثر انداز نہیں ہوگی ـــــ!

بہر نوع! سلامہ و سلمیٰ حسنؑ و حسینؑ کی زوجیت میں آگئیں ـــــ اسی خاندان کی خدیجۃ الکبریٰؑ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں آئیں۔ اس خاندان کی عزت بنی اور دوسری عزت اس خاندان کی یہ ہوئی کہ سلمیٰؑ اور سلامہؑ امرالقیس کی بیٹیاں، حسنؑ و حسینؑ کی زوجیت میں آئیں ـــ سلمیٰؑ کے بطن سے تو شہزادہ قاسمؑ پیدا ہوئے۔

جو دوسری تھیں امام حسینؑ کی زوجہ محترمہ اس کے گھر سب سے پہلا بچہ جو ہوا، وہ لڑکا نہیں ہوا، بلکہ لڑکی ہوئی ـــ اس خاندان رسالت نے ہر لڑکی کا نام فاطمہؑ رکھا ـــ ہر لڑکے کا نام علی رکھا ـــ پہچان کے لئے آگے لگا دیتے تھے، اکبر، اصغر، باقر وغیرہ۔

چنانچہ اس بچی کا نام بھی فاطمہؑ رکھا ـــ سارے خاندان کو اسی بچی سے پیار تھا خصوصاً اس بچی کا عجیب و غریب چچا شمس الشہداء حضور قمر بنی ہاشمؑ جناب عباسؑ غازی کو اپنی اس بھتیجی سے اتنا پیار تھا۔ نام تو فاطمہ تھا مگر وہ پیار سے سکینہؑ کہتے تھے سکینہؑ بڑی پیاری بچی تھی۔ سید الشہداء کو اور دوسرے گھر والوں کو اتنا پیار تھا اپنی اس بچی سے کہ اس کی ماں کو سسرال کی طرف سے ربابؑ کا خطاب دیا ـــ نام تو اصل سلامہؑ تھا مگر سسرال

سے رُبابؑ کا نام دیا گیا۔ گھر بھر کی لاڈلی بچی۔ چار سال کی ہوگئی مگر گھر والوں نے پیدل چلنے نہ دیا۔ کبھی حسینؑ کی گود میں۔ کبھی عباسؑ کی گود میں (قاسمؑ کی خالہ زاد بہنیں رہی تھیں۔ اور چچا زاد بہن بھی) کبھی ماں کی گود میں کبھی زینبؑ کی گود میں کبھی کلثومؑ کی گود میں۔ بڑی لاڈلی بچی تھی سکینہؑ ——— !

۱۶ رجب ۶۰ھ کو رُبابؑ کے بطن طاہرہ سے خدا نے ایک فرزند عطا فرمایا سید الشہداء کو ——— جس کا نام علی اصغرؑ مشہور ہوا۔ سکینہ کا سگا بھائی تھا۔ ایک دفعہ پھر کہتا ہوں علی اصغرؑ کا یوم ولادت ۱۶ رجب ۶۰ھ ہے اور ۲۸ رجب ۶۰ھ کو جب حسینؑ نے مدینہ سے سفر کیا ہے اس وقت علی اصغرؑ کی عمر صرف ۱۲ دن تھی گویا ساری عمر علی اصغرؑ کی سفر میں گذری، علی اصغرؑ اور سکینہؑ دونوں بہن بھائی کربلا سید الشہداء کے ساتھ گئے تھے ۴½ سال کا سن سکینہؑ کا تھا اور صرف ۱۲ دن کا اصغر تھا جب گھر سے مولاؑ چلے تھے۔ کربلا میں اصغر تقریباً چھ ماہ کا ہوگیا تھا، جس طرح ہر بہن کو بھائی سے محبت ہوتی ہے۔ اسی طرح سکینہؑ کو بھی اپنے بھائی علی اصغرؑ سے محبت تھی۔ گھر والے سکینہؑ کو اپنی گود میں اٹھائے رکھتے، سکینہ بھی اپنے بھائی کو ہر وقت بہلاتی رہتی، جب دیکھو اس کا جھولا جھلا رہی ہے۔ جب دیکھو اسے کرتہ پہنا رہی ہے۔ جب دیکھو اسے سُرمہ لگا رہی ہے ——— امامؑ دیکھ کے، آنکھوں میں آنسو بھر کے کہا کرتے تھے "سکینہؑ! اتنا پیار نہ کر ——— ہے تو تیرا بھائی پر اتنا پیار نہ کر، اس کی جدائی کا صدمہ شاید تجھے برداشت نہ ہو"

یہ دونوں بہن بھائی کربلا میں تھے۔ سکینہ بھی اور علی اصغر بھی ——— میرے معزز و محترم سامعین! میں اپنے بیان کو مختصر کرتا ہوں کہ جب دسویں محرم کا دن چڑھا ——— سکینہ بھی پیاسی اور اصغرؑ بھی پیاسا ——— جب سید الشہداء اپنی آخری قربانی، علی اصغرؑ کو لے کے جانے لگے تو اصغر کی ماں رباب نے عرض کی حضور! میں بڑے کریم باپ کی بیٹی ہوں، مگر چاہے میرا باپ کتنا ہی کریم ہو میں سیدانی نہیں ہوں، میری آپ کے گھرانے سے کوئی نسبت نہیں ——— جو صبر زینبؑ و کلثومؑ

کا حصہ ہے وہ مجھے کہاں ملے گا — میں اُمّتی ہوں قبلہ! میں ذرا اپنے بچے کو سجانا چاہتی ہوں — چنانچہ علی اصغر اور سکینہ کو لے کر رُباب اپنے خیمے میں چلی گئی — اچھا لباس پہنایا، کان میں وہ دو موتی پہنائے جو چچا نے تحفہ کے طور پر دیے تھے علی اصغر کو بھی نیا کُرتہ پہنایا، بال ٹھیک کئے — آستین بھی چڑھا دیں، آنکھوں میں سُرمہ ڈالا۔ ایک رومال سے کر باندھی۔ جب رباب خیمے سے باہر آئیں تو ایک ہاتھ سے سکینہ کی انگلی پکڑے ہوئے اور دوسرے ہاتھ سے اصغر کو گود میں لئے ہوئے اور عرض کیا "مولا! میری ایک گذارش ہے" "کیا؟" — "اپنی بہن کو بلا لو" — زینب بھی آگئیں — دونوں بہن بھائی سامنے کرسی پہ بیٹھو" پھر میں کہوں گی" — زینب اور حسین سامنے کرسی پہ بیٹھ گئے — رُباب کہتی ہے "فاطمہ کی بیٹی اور فاطمہ کے بیٹے! میں غیر خاندان کی تمہارے خاندان میں آئی ہوں تم نے میری عزت بڑھائی، تم نے میری شان بڑھائی، فاطمہ کی بہو کہلائی — تمہاری طرف سے دو تحفے مجھے ملے ہیں — ایک لڑکی — ایک لڑکا — یہ بچے تمہارے ہیں — ان سے میرا کوئی واسطہ نہیں — مجھے پتہ ہے کہ آج شام سے پہلے میں بیوہ ہو جاؤں گی — میرا دنیا میں کوئی سہارا نہیں رہے گا — نہ میرا کوئی میکا ہے، نہ میرا کوئی عزیز ہے میں تمہاری اس امانت کی، سکینہ اور اصغر کی حفاظت نہیں کر سکوں گی، میں آپ کی امانت کو سجا کے لائی ہوں آپ ہی کے سپرد کرتی ہوں" یہ کہہ کے رُباب نے کیا کیا؟ — کہ سکینہ کو اٹھا کے زینب کی گود میں پھینک دیا اور اصغر کو حسین کی گود میں — حسین نے چند منٹ بعد اصغر کو دفن کر دیا اور سکینہ کو سینے سے زینب نے لگا لیا۔ زینب کی مجبوری سمجھو کہ سینے سے تو لگائے رکھا مگر کانوں کو نہ بچا سکی — اس کی کلائیوں کو نہ کھول سکی — اس کے گلے کو نہ کھول سکی — اسی طرح زینب — سکینہ کو بندھے ہوئے ہاتھ اور بندھے ہوئے گلے کے ساتھ لے کر شام آگئی۔

میرے محترم سامعین! قید خانے میں زینب جب زمین پر سوتی تو اپنے ساتھ سکینہ کو سلاتی

بچی سونے سے پہلے پوچھتی "ابا کب آئیں گے ؟ بتاؤ زینبؑ کیا جواب دیتی —— بچی کو کہا کھہ کے بہلاتی بچی کہتی "میرے چچا کب آئیں گے ؟" کبھی کہتی "زمین پر مجھ سے سویا نہیں جاتا" —— بتاؤ اسے کس طرح زینبؑ بجھاتے اسے کس طرح تسلی دے ؟ اور یہ روایت اکثر آپ نے ذاکروں سے سُنی ہو گی، مولوی صاحبان بھی بیان فرماتے ہیں —— سکینہؑ نے شام کو پرندوں کو اڑاتے ہوئے دیکھ لیا پوچھا "بھائی زین العابدینؑ! پرند کہاں جارہے تھے —— فرمایا "بہن! دن بھر چر کے، پیٹ بھر کے اپنے گھروں کو جارہے ہیں" بچی پوچھ بیٹھی "بھائی! کبھی ہم بھی اپنے گھر واپس جائیں گے۔ ہمارا بھی کوئی دنیا میں گھر ہے ؟

ایک روایت یہ بھی ہے کہ ایک رات جو سوئی تو باپؑ کو خواب میں دیکھ لیا۔ جیسے باپ گود میں لئے بیٹھے ہیں —— آنکھ جو کھلی تو "ہائے ابا" باپ کو یاد کر کے رونے لگی —— روئی تو محلے کے لوگ اکٹھے ہو گئے "کیا بات ہوئی بچی کیوں رو رہی ہے ؟" بتایا گیا کہ باپ کو یاد کر رہی ہے —— انہوں نے یزید لعین کا محل گھیر لیا "ایک معصوم بچی رو رہی ہے ظالم! اس کا تو کچھ خیال کر باپ کو یاد کرتی ہے" یزیدؑ نے اور تو کچھ نہ کیا، باپ کا سر دے دیا —— جب سر قید خانے میں آیا بچی ایک دم گھبرا کے کہنے لگی —— اماں! ابا کی خوشبو آرہی ہے —— میرے ابا آگئے ہیں" سر کو گود میں لے کر بیٹھ گئی —— ابا تم آگئے —— سکینہؑ نے ایک ایک بات سنائی ہے باپ کو —— ابا میرے کان دیکھ لو —— ابا مجھے تنہا چھوڑ گئے" ابا! میری اماں کی چادر چھن گئی" یہ کہہ کے سکینہؑ نے باپ کے منہ پر منہ رکھا تو اب نہیں اٹھایا —— کافی دیر ہو گئی زینبؑ نے کہا "بیٹا! زین العابدینؑ! دیکھنا، بات کیا ہے ؟" زین العابدینؑ نے دیکھا "اماں! پڑھو سب مل کے"

سامعین!

مسلمانوں کی بستی میں، فاطمہؑ کی پوتی، اُسی کرتے میں دفن ہو گئی جو پہنا ہوا تھا۔ جب قافلہ

آلِ محمدؐ مدینے روانہ ہوا ہے تو ان کے دل پر جو سب سے بڑا صدمہ تھا وہ یہ تھا کہ سکینہؑ ہمیں چھوڑ گئی ہے"

زینبؑ نے وعدہ کیا تھا" بیٹی فکر نہ کر، میں بھی یہاں آؤں گی تیرے پاس، اسی شام میں ــــــ اور وہیں قبر بنی زینبؑ کی بھی! ــــــ شام میں۔

یہ ہمارے گھر کی کہانی تھی۔ سکینہؑ کی کہانی ــــــ اب دشمنانِ آلِ محمدؐ کچھ ہمارے بھیس میں کچھ دشمنوں کے بھیس میں خدا جانے کیا کیا بکواس لگاتے ہیں۔ جب اُن کے ہاتھ میں تلواریں تھیں۔ تو آلِ محمدؐ کو تلواروں سے ذبح کیا۔ اب قلم ہے تو قلم سے ذبح کر رہے ہیں ــــــ "آخر میں مَیں اپنے نوجوانوں سے گذارش کرتا ہوں کہ وہ اس کہانی کو جہاں تک ممکن ہو سکے پہنچائیں۔ تاکہ میرا کہانی سنانے کا مقصد کامیاب ہو جائے اللہ تمہارے بچوں کو یتیم نہ کرے ــــــ بحق محمدؐ و آلِ محمدؐ

جب آلِ مُحمّدؐ

آمریت کی تلواروں سے نہ کٹ سکے تو اُن پر دردہ

مؤرخین نے اپنے زہر آلود قلم سے آلِ محمدؐ کو قتل کرنا شروع کر دیا

(خطیبِ آلِ مُحمّدؐ)

قلم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خداوندِ عالم کی حمد و ثنا کے بعد حضرات محمدؐ و آل محمدؐ پر درود و سلام "
حضرات گرامی قدر!
اللہ کا یہ فرمان ہے: الا لہ الخلق و لہ الامر
لفظی ترجمہ اس آیت کا عربی دانوں کے نزدیک یوں ہے۔
"یاد رکھو:

اے قرآن پڑھنے والو — قرآن سُننے والو — قرآن کو ماننے والو — اے اللہ کی طرف سے آیا ہوا کلام ماننے والو — اے محمدؐ کا پہنچایا ہوا برحق پیغام ماننے والو اس کے ہر زیر و زبر کو حق تسلیم کرنے والو۔ اس کی ہر حرکت و سکون کو اللہ کی طرف سے نازل شدہ ماننے والو — اس کے ہر زیر و زبر اور زیر کو زیر سمجھنے والو! اس کے زیر کو کبھی زبر نہ کرنے والو — اور اس کے زبر کو کبھی زیر نہ کرنے والو!

پوری طرح سمجھ لو — اس بات کو پوری طرح — اپنے ذہن میں بٹھا لو — اس بات کو اپنے دل سے مت نکالنا — کہ تمہارا ایک اللہ ہے — تمہارا ایک خالق ہے۔ جس نے تمہیں دنیا میں بھیجا ہے۔ وہ تمہارا مالک ہے، وہ تمہارا اللہ ہے۔

اور —

— اس اللہ کو دو اختیار حاصل ہیں (اس کے معنی یہ نہیں کہ اللہ کو اور اختیار نہیں

ہیں ـــــ اللہ کو اور بھی اختیارات حاصل ہیں) ـــــ یہ دو

اختیار تمہارے اللہ کو حاصل ہیں ـــــ

ایک "خلق" کا ـــــ ایک "امر" کا ـــــ

یہ دونوں اختیارات مخصوص ہیں صرف اللہ کے لئے ـــ "خلق"

میں بھی اللہ کو اختیار ہے "امر" میں بھی اللہ کو اختیار ہے ـــ

اللہ کے علاوہ نہ "خلق" میں کسی اور کو اختیار ہے نہ "امر" میں کسی

اور کو اختیار ہے۔

اگر

اس مجلس میں کوئی عربی دان بزرگ موجود ہو۔ تو اُن

حضرات سے گذارش ہے کہ علم و معانی و بیان کے اعتبار

سے کسی "مؤخر" کو اگر "مقدم" کر دیا جائے ـــ تو اُس سے

"حصر" پیدا ہوتا ہے ـــ اور جار و مجرور، جو عربی میں

ہے ـــ وہ بعد میں آیا کرتا ہے ـــ

مگر ـــ

اس آیت میں پہلے آیا ہے ـــ

اللہ نے یہ نہیں کہا ـــ الخلق والامر لہ ـــ بلکہ

"الا لہ الخلق ولہ الامر" فرمایا ہے۔

"لہ" میں جار و مجرور ہے۔ وہ پہلے آیا ہے ـــ

اس کا پہلے آنے کے معنی یہ ہیں کہ

سوائے اللہ کے، صرف اللہ کو، محض اللہ کو، فقط اللہ کو اختیار نہ ہے "خلق" کا

بھی اور "امر" کا بھی ـــ اگر یہ "لہ" بعد میں ہوتا تو پھر اس کے معنی یہ بنتے کہ

اللہ کو بھی اختیار ہے" مگر

یہاں " بھی " نہیں ہے —— بلکہ " اللہ ہی کو اختیار ہے —"۔ کسی کو 'خلق' و 'امر' کا اختیار نہیں سوائے اللہ کے —— (یہ لفظی ترجمہ ہے اس آیت کا)

اب اس میں جو حضرات علمائے اکرام کی " علمی موشگافیاں " ہیں —— وہ مجھے آتی نہیں —— اس لئے آج آپ کے سامنے سیدھی سادھی گفتگو کرنا ہے۔

"خلق، اور 'امر" کا اختیار اللہ کو اور صرف اللہ کو ہے ——

اگر آپ مناسب سمجھیں تو ایک دفعہ کہہ دیں " اللہ"

شرم کرو بندو!

" اللہ تمہارے منہ سے نکلا ہے ——

اب آپ کہیں گے۔

زیدی صاحب!

شرم —— تم کرو —— یہ اللہ نہیں نکلا ہمارے منہ سے

یہ لفظ " اللہ" نکلا ہے —— چونکہ " لفظ اللہ اور ہے ——

ذات اللہ اور ہے —— یہ لفظ " اللہ" ہے جو ہمارے مُنہ سے

نکلا ہے ——

یاد رکھو میرے سامعین!

خدا کرے تمہارے ذہن میں یہ بات آجائے۔ اور میں اسے سمجھا

سکوں ——————

ہر لفظ جو انسان کے مُنہ سے نکلتا ہے جس میں صوتی و حرکاتی وجود کا عنصر نمایاں ہوتا ہے —— اُسے لفظ کہتے ہیں اور جو لفظ ہوتا ہے۔ اس کا خالق خود انسان ہے —— انسان پیدا کرتا ہے ہر لفظ کو —— انسان کے منہ

سے نکلتا ہے لفظ ـــــ اور

لفظ بنتا اس طرح ہے ـــ کر مٹتا جاتا ہے ـــــ بنتا جاتا ہے۔

مثلاً :-

جب آپ کہیں گے لفظ" پانی" ـــ یہ لفظ آپ کے منہ سے نکلا ہے۔ آپ ہی اس لفظ کے خالق ہیں ـــ آپ نے یہ ہی یہ لفظ پیدا کیا ـــــ مگر کس طرح ؟

جب آپ کہہ رہے تھے "پا" ـــــ اس وقت "نی" موجود نہ تھا ـــ اور جب آپ نے کہا "نی" ـــ تو "پا" ختم ہو چکا تھا ـــــ اگر پہلا حرف زبان پر رُکا رہے۔ تو دوسرا آ سکتا ہی نہیں۔ بہر نوع۔ لفظ کا خالق انسان ہے اور لفظ مٹنے سے بنتا ہے۔

"اللہ" بھی ایک لفظ ہے (ذات اللہ نہیں) اللہ بھی ایک لفظ ہے۔ اور ہر لفظ کے لئے یہ طے شدہ بات ہے کہ ـــ بولنے والے کے منہ سے نکلتا ہے۔ لہٰذا لفظ "اللہ" بھی کسی کے منہ سے نکلا ہو گا ـــ کسی نے یہ لفظ بھی بولا ہو گا۔ جب ہی تو یہ لفظ آیا دنیا کے سامنے ـــــ اگر یہ لفظ اللہ کی ذات کا نام ہے تو اس وقت کس نے بولا ہو گا۔ جب اس کی ذات کے سوا اور کوئی نہیں تھا۔ ـــــ

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اللہ نے جو اصلی اللہ ہے۔ جو ذات اللہ ہے ـــــ اس نے جب اس کی ذات ہی ذات تھی ـــ اس وقت کسی کو بنایا ـــــ اور بنا کے اس سے پوچھا ـــــ

بولو ! ـــــ تمہیں کس نے بنایا :- ـــ ؟

اس نے کہا

میرے بنانے والے ! تو ہی بتا مجھے کس نے بنایا ـــــ

تو اللہ نے کہہ دیا هُوَ لا ۔

لفظ تو ابھی مُنہ سے نکلا ہی نہیں تھا۔ یہ تو انسان کے مُنہ سے نکلتا ہے ــــــ

اب بنانے والے نے کہا ــــ هُوَ لَا ہُ اُسی نے بنایا"

تو اس بنے ہوئے کے مُنہ سے نکل گیا ــــــ "اللہ"

اور اللہ نے جملہ مکمل کر دیا۔ قُلْ هُوَ اللّٰہ ــ

یہ اسی انسان کے مُنہ سے نکلا ہے ــــــ بغیر انسان کے مُنہ سے نکلا ہوا "لفظ"

بنتا ہی نہیں ــــــــــــــــــــــــــــــــــ

اب اللہ جانے۔ جب صرف اللہ کی ذات تھی ــــ تو وہ کون انسان تھا۔

جس کے مُنہ سے نکلا" اللہ ــــــ اور اللہ نے اسی لفظ کو اپنی ذات کا نام بنا لیا۔

"میری ذات کا نام ہے اللہ"

سامعین!

اب جو" اللہ" کہہ دیا اس نے ــــ تو اس سے پُوچھا ــــــ

"بتاؤ ــــــ اللہ کے متعلق اور کیا جانتے ہو ــــــ

انہوں نے کہا۔

"اور یہ جانتے ہیں ــــــ وہ اَحَد ہے۔"

اب جملہ یوں مکمل ہوا۔

"قُلْ هُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ" اللہ احد بھی ہے ــــ اور اَحَد کے کیا معنی ہیں۔

عربی لُغت میں لفظِ ــــــ کے کیا معنی ہیں ــــــ "ایک" یہ غلط ہے۔

میرے محترم سامعین!

" احد" کے معنی" ایک" نہیں ہے۔

یاد رکھو!

اللہ ایک نہیں ہے"

جو کہتا ہے "اللہ ایک ہے" ——— وہ غلط کہتا ہے ———

اللہ ایک نہیں ہے ——— اور اگر آپ کو میری بات کا یقین نہ ہو تو مدرسے میں پڑھنے والے بچوں سے پوچھ لو۔ یہ ابھی تصدیق کریں گے۔ جنہوں نے ریاضی پڑھی ہے۔

علم حساب میں یہ بات بتائی گئی ہے کہ ——— ایک کا ہندسہ دو آدھوں کا مجموعہ ہے ———

"دو آدھوں" کو جوڑ دو۔ تو بن گیا "ایک"

اگر ہم کہیں "اللہ ایک" ——— تو اس کے یہ معنی ہیں کہ پہلے آدھے آدھے "دو" تھے۔ پھر جُڑ کے ہو گیا "ایک" اور دوسرے معنی علم ہندسہ میں "ایک" کے ہیں،

"دو کا آدھا" ———

اگر اللہ کو ہم "ایک" کہیں گے تو اس کے معنیٰ ہیں ———

پہلے دو تھے۔ پھر آدھا رہ گیا۔ تو ہو گیا "ایک"

——— اللہ "ایک" نہیں ہے ——— بلکہ

اللہ "احد" ہے ———

"احد" کے معنیٰ کیا ہیں؟

——— " ایک کا پیدا کرنے والا"

گویا اللہ نے سب سے پہلے جسے پیدا کیا تھا۔ وہ ایک تھا ——— اللہ اُس کا خالق ہے ———

اب ایک کے معنیٰ یہاں لگاؤ ———

ایک کہتے ہیں:۔ دو ہوں۔ انہیں جوڑ دو تو ایک ——— اور الگ

کردو توڈو

معلوم ہوا۔

اللہ نے جسے سب سے پہلے پیدا کیا تھا ـــــ

وہ ایک بھی تھا۔ اور دو بھی تھے ـــــ

گویا سب سے پہلی جو مخلوق تھی۔ وہ دو بھی تھے ـــــ ایک بھی تھا۔

اب اس کو حدیث سے آپ سمجھ لیں ـــــ حدیث میں یہ ہے

اَنَا وَعَلیٌّ مِن نُورٍ وَاحِدہ

اَنَا کے معنی ہیں ـــــ "میں" ـــــ اور علیؑ"

سامعین!

جہاں لفظ "اور" بیچ میں آجائے تو "دو" ہو جاتے ہیں ـــــ

"میں اور علیؑ" ـــــ ہیں نا دو

اب دو جڑ گئے ـــــ تو ہو گئے "ایک" ـــــ

ـــــ دو کے دو بھی ہیں ـــــ ایک کا ایک بھی ہے ـــــ

چونکہ دو اور ایک، عوام کی سمجھ میں نہیں آتا تھا ـــــ

اس لئے سمجھانے کے لئے ایک اور فقرہ کہہ دیا۔

اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہ (القلم)

پہلی شے جو اللہ نے خلق کی ـــــ القلم

وہ تھا۔ "قلم"

سامعین!

اب یہ "قلم" میری عمر والوں کی سمجھ میں تو ضرور آئے گا۔ جو اپنے ہاتھ سے "قلم" بنایا کرتے تھے۔

ایک قلم تراش لیا ــــ ایک "کانا" لیا ـــــ پہلے اسے چھیلا قلم بنانے کے لئے ـ اور جب وہ چھل گیا۔ تو آپ نے قلم بنانے کے لئے اس کے بیچ میں "شگاف" دینا ہے ــــ یعنی اسے دو کرنا ہے، جب تک وہ قلم دو نہیں ہوگا ــــ لکھے گا نہیں ـــــ لہٰذا آپ نے دو کرنا ہے

مگر وہ "دو" آپ نے قلم تراش کی نوک سے کرنا ہے ــــ اس طرح دو ہو جائے ــــ کہ دو ہونے کے باوجود "حرف" ایک لکھے

ــــ "دو" کا دو بھی ہو ــــ ایک کا ایک بھی ہو ــــ

"دو" ہوئے بغیر قلم لکھ سکتا ہی نہیں ـــــ مگر دو ہونے کے باوجود۔ اس میں یہ صفت ہو کہ لکھے حرف "ایک" ــــ اور اگر اس قلم کے دونوں حصوں کے بیچ میں ایک، ذرا سا تنکا بھی آ جائے تو قلم کا کچھ نہیں بگڑے گا ــــ ہمارا لکھا بگڑ جائے گا۔ ہماری تحریر خراب ہو جائے گی ـــــ

اس طرح "دو" ہوں۔ کہ "دو" ہونے کے باوجود "فصل" نہ ہونے پائے

اس طرح بنتا ہے ـــــ "قلم"

اب آپ کا قلم بن گیا ہے ــــ؟

"نہیں" ـــــ ابھی اور محنت درکار ہے قلم بنانے میں ــــ ابھی لگانا ہے آپ نے اس میں۔ "قط"

اب قط لگایا ــــ آپ نے ــــ سیدھا؟ "نہیں"

ذرا سا ٹیڑھا ـــــ (قط اگر سیدھا ہو تو لکھا ہی نہیں جاتا)

اب "قط" کا ذرا سا ٹیڑھا ہونے سے یہ فرق ہو گیا۔

ــــ ہیں تو دونوں ایک ہی "قلم" کے حصے ــ مگر ذرا ٹیڑھا "قط" لگنے سے ایک ذرا

بڑا ہوگیا ——— ایک ذرا چھوٹا ہوگیا ——— معلوم ہوا جس نے سب سے پہلے
——— "اللہ" کہا تھا ——— وہ "قلم"

وہ بھی تھے ——— ایک بھی تھا۔

قط لگنے سے ایک ذرا بڑا تھا ——— ایک ذرا چھوٹا تھا ———

سامعین!

تھے ایک ہی "قلم" کے دونوں حصے ——— ایک کو جُدا کر دو تو دوسرا نہ لکھ سکے
دونوں "قلم" کے ساتھ ساتھ رہیں گے ——— ایک ذرا بڑا۔ ایک ذرا چھوٹا ——— بڑا
لکھنے کا کام دے گا ——— چھوٹا بڑے کی مدد کرے گا ——— ایک مددگار ہوگا ——— دوسرا لکھے گا

بات یہاں اگر ختم ہوتی ہے کہ کسی ایسے باپ سے پوچھو۔ جس کے دو بیٹے ہوں
ایک بڑا ——— ایک چھوٹا ——— دونوں میں سے ضدی کون سا ہوتا ہے ——— ؟

——— بڑا ذرا متین، سمجھدار ——— اور چھوٹا ضدی۔ وہ باپ سے ضد کرتا ہے
ناز کرتا ہے۔ چھوٹا جو ہوا ——— اور اس کی وجہ یہ بھی ہے۔ کہ اس کے ناز بردا
دو ہوتے ہیں ——— ایک باپ۔ ایک بڑا بھائی ——— اس لئے اسے
زیادہ ضد کرنے کی عادت ہو جاتی ہے۔

یہاں بھی دو قلم تھے نا "قلم" سے ——— ایک ذرا بڑا۔ ایک ذرا چھوٹا۔ اللہ
نے یہ انتظام کیا۔ جو بڑا تھا۔ اسے رسالت دے دی ——— اب چھوٹا ضد کر بیٹھا

"ہمیں بھی دو"

چنانچہ اللہ نے یہ کہہ کے بہلایا چھوٹے کو ———

"بڑے کو بناتا ہوں آخری نبیؐ ——— تجھے بناتا ہوں پہلا امامؑ"

وہ آخری نبیؐ بنے گا ——— تو پہلا امامؑ بنے گا"

بس بھائیو!

بات یہاں آکر ختم ہوتی ہے۔

اللہ نے بڑے کو "عبداللہ" کے گھر بھیج دیا ـــــ چھوٹے کو "اللہ" کے گھر بھیج دیا اور وہ بڑا جو اوّل مخلوق، تھا ـــــ جو عبداللہ کے گھر آیا تھا۔ اس کو اللہ نے ایک بیٹی عطا فرمائی۔

اب کائنات میں اس سے بڑا کوئی تھا ہی نہیں۔ اتنے بڑے گھر میں بیٹی پیدا ہوگئی ـــــــــ اللہ کو اس کی شادی کی فکر پیدا ہوگئی۔

اب بتاؤ! محمد کی بیٹی بیاہی جائے کسی گھر میں ـــــ اور شوہر سے وہ یہ کہہ دے۔

"میں وہ ہوں جو محمد کے گھر پیدا ہوئی۔

اب شوہر بھی ایسا تلاش کرو۔ جو مسکرا کے جواب دے دے۔

میرے سامنے کیا کہتی ہے ـــــ میں وہ ہوں جو اللہ کے گھر پیدا ہوا ـــــ"

بہر نوع۔ اللہ نے بڑے کو "عبداللہ" کے گھر پیدا کر دیا۔ اور چھوٹے کو۔ "اللہ" کے گھر پیدا کر دیا۔

اس ضمن میں تھوڑا سا ذکر جناب "سیدہ" بھی آگیا۔ ذکر خدا و رسولؐ بھی آگیا "امر" کی بات انشاء اللہ العزیز کل آپ سے کہوں گا ـــ اور کل کا وعدہ سنت رسولؐ ہے رسولؐ نے بھی "خیبر" میں فرمایا تھا۔

"کل میں علم اسے دوں گا جو کرار ہوگا" رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْم